لکھ دیئے اک نام

ریحانہ آفتاب

ہمارے ہاتھ پہ رنگ حنا تو چمکے گا
سُنا ہے وہ تو ہمیں بے حساب چاہتا ہے
بہار آئی ہے دیکھو ہیں پھول ہر جانب
وہ میرے ہاتھ سے بس ایک گلاب چاہتا ہے

"جونیر خبیث کہاں مر رہے ہو؟"

"اپنے بیڈ پہ مر رہا ہوں۔" اہتزاز عرف زی کی دھاڑ پر بڑا اطمینان بخش جواب موصول ہوا۔

"سارا کچھ اس منحوس کے باعث ہوا۔ اچھا بھلا گھر پر تھے اس جونیر کے بچے نے ہوسٹل میں رہنے کا شوشہ چھوڑ کر دادا جی کے "جلال" کو آواز دے دی۔ اور انہوں نے اٹھا کر پھینک دیا ہمیں اس ہڑبہ اور موٹن جوڑو کی شکل سے ملتے اس گھر میں۔ اپنے ساتھ ہماری زندگی بھی جہنم بنانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور اب آرام سے لیٹا مر رہا ہے۔ گھر کی حالت دیکھو ایسا لگ رہا ہے ڈاکو ہمیں لوٹ کر ابھی ابھی گئے ہیں۔" راہب بھی تپا بیٹھا تھا۔ اس نے سامنے رکھی جھاڑو کو ایک کک لگائی۔

"گھر میں کتنی حسین، حسین لڑکیوں کا آنا جانا تھا۔ وہ لہرائے بل کھاتے آنچل اور کہاں یہ کانٹھ کباڑ۔" اسنور سے سعدین کی غمزدہ آواز سنائی دی۔ جہانبان جونیر بستر پر دراز ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے پیر ہلا رہا تھا۔

"دادی جی نے کہا بھی کہ کوئی ملازمہ ساتھ لے جاؤ مگر اس "عورت بیزار" جونیر نے فوراً منہ پہ ناں کر دی اور اب تو مر رہا ہے اوئے سعدین ذرا آ۔ اسے نکالیں کمرے سے۔ ہماری زندگی کو "بھیانک صورت حال" سے دوچار کر کے کیسا پڑے پڑے اینڈ رہا ہے۔ آہ! وہ حسین دوشیزائیں جب سنیں گی کہ ہم چار ہینڈسم دل فریب جوان یہاں پر دادا کے "پرانے محل" میں سدھار چکے ہیں تو کیا بیتے گی ان کے دل پر۔" راہب نے پیشانی پیٹ لی۔

"خبردار جو ہاتھ لگایا تم تینوں نے مجھے۔ خواہ مخواہ میری شرٹ کی کریز خراب کرو گے تم لوگوں سے برداشت کہاں ہوگا کہ میں آرام کروں۔ اٹھ رہا ہوں۔" تینوں کو غصہ ناک نظروں سے اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر اس نے اٹھنے ہی میں عافیت جانی۔

"مجھے کس شیطان کے بچے نے مشورہ دیا تھا کہ تو دادا جی سے ہاسٹل میں رہنے کی بات کر.....؟" اہتزاز اسے چٹونوں سے گھور رہا تھا۔

"یہ کیا تم لوگ اس وقت سے شور کر رہے ہو.....؟"

"اوہو..... دیکھو زی اس کے تیور ابھی جب آپ اٹھ

ای ڈی کے ہونہار طالب علم فرش پر جھاڑو پوچھا لگائیں گے تو ہمارے "دلی حالت" سے آگاہ ہو جائیں گے۔"

"میں..... یعنی کہ میں..... جہانبان جونیر جھاڑو اور پوچھا لگاؤں گا.....؟" اس کا استہزائیہ انداز دیکھ کر تینوں نے اکٹھے اس پر چڑھائی کر دی۔ تینوں نے اکٹھے بولنا شروع کر دیا' مارے غم و غصے کے۔ اور جب کافی دیر بعد احساس ہوا کہ جہانبان جونیر کانوں میں انگلی ٹھونسے بیٹھا ہے تو تینوں ہی چپ ہو گئے۔ مگر سعدین کی بیٹری چارج تھی۔

"ہم تینوں ڈیشنگ جوان تجھے جمعدار لگتے ہیں؟" اس کا قلق دور نہ ہوا۔

"تھوڑے بہت۔" لب باہم مس کرتے وہ سر جھکا گیا۔ اس کی مسکراہٹ انہیں مزید بوکھلا گئی۔

"مار دو پیٹو' جہنم واصل کرو اس غدار کو۔"

"یار لڑائی سے قطع نظر' دیکھو ذرا ابھی تینوں کمرے سیٹ کرنے ہیں۔ یہ گرد سے اٹا فرش صاف کرنا ہے۔ کچن کو کچن کا "روپ" دے کر ابھی لنچ بھی تو بنانا ہے۔" درگت بننے سے پہلے جونیر نے کام کی تفصیلات انگلیوں پر گن کر ان کا دھیان اپنے آپ پر سے ہٹانے کی سعی کی۔

"یہ ابھی لنچ کون بنائے گا؟" راہب نے ہولناک انداز میں کہا' جیسے لنچ بنانے کی نہیں' میزائل داغنے کی بات ہو۔ پھر ان چاروں کے قہقہوں سے خالی گھر گونجنے لگا۔ کیوں کہ ان چاروں نے لنچ کے لیے ایک دوسرے کی طرف انگلی اٹھائی ہوئی تھی۔ ان کی گفتگو بغور سنتی عائشہ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئی تھی۔

عائشہ کچن میں کیا بنا رہی ہو؟" امی اس تک آئیں۔ وہ اپنی فتح پہ قابو پا چکی تھی۔

"آپ بتائیں؟"

"جو دل چاہے بنا لو' ویسے بھی سبزی اور مچھلی سے تمہاری جان جاتی ہے۔"

"بریانی بنا لیتی ہوں۔"

"بنا لو۔"

"امی لگتا ہے پڑوس میں لوگ آ گئے ہیں۔"

"یہاں جعفر صاحب ہوتے تھے۔ کافی عرصہ یہ لوگ رہے' تمہارے دادا سے اچھے تعلقات تھے ان لوگوں کے' تین بیٹے تھے' بہوئیں بھی بڑی سلجھی ہوئی اور خوب صورت تھیں۔ جب بیٹوں کا بزنس چل پڑا تو کہیں اور شفٹ ہو گئے۔ ایک عرصہ سے بند پڑا تھا' اچھا ہے پھر سے آباد ہو گیا۔ کل شام ہی شفٹ ہوا ہے سامان' پتہ نہیں کون آیا ہے؟ تمہارے ابو ابتا رہے تھے کہ جعفر صاحب کی ہی فیملی شفٹ ہو گئی ہے۔ اگر ذرا گنجائش یا زبور ہوتیں تو ملنے ضرور آتیں۔ کافی دوستی تھی میری ان سے....."

"کسی خاتون کی تو آواز بھی نہیں آ رہی۔" عائشہ نے بتایا۔

"ہاں لگتا تو یہی ہے کہ جعفر صاحب کے پوتے ہی آئے ہیں۔ تمہارے ابو ایسا کچھ تو کہہ رہے تھے۔" فون کی بیل بجی تو امی اندر بڑھ گئیں جب کہ عائشہ کچن کی طرف چل دی۔ اس کے ہاتھ تیزی سے قورمہ کے مصالحوں سے نبرد آزما تھے مگر کان گھر کے بیچ دیوار کے پار لگے ہوئے تھے جہاں سے کھڑ پٹر کی آواز اس بات کا اعلان کر رہی تھی کہ سامان کو "ٹھکانے" لگایا جا رہا ہے۔

"اوئے خبیثو' دفع دور کرو اب صفائی ستھرائی کو۔ کھانے کا کچھ انتظام کرو۔"

بریانی دم پر تھی' جب دیوار پار سے آوازیں آنے لگیں۔ آواز خاصی دلفریب' دبنگ اگیریسو تھی اور مردانہ خوب صورت آواز تو ازل سے آشنا کو اپنی گرفت میں لے لیتی تھی۔ اس نے آواز پہچان لی تھی۔ یہ غالباً جہانبان جونیر تھا کیوں کہ وہ تینوں بار بار اس کی کام چوری پہ اسے شرم دلا رہے تھے اور وہ آرام سے ان کی "گولہ باری" کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے "میزائل" داغ رہا تھا۔ تینوں کمرے سیٹ ہو گئے تھے۔ جونیر جھاڑو پوچھا چھوڑ کر ہر کام کرنے کو تیار تھا۔ ناچار یہ کام تینوں کو مل بانٹ کر کرنا پڑا۔ صحن میں لگے نیم اور آم کے پیڑ کے نیچے چارپائیاں رکھ کر بڑے سے صحن کو "لان" بنایا جا رہا تھا۔ گھر اب صحیح معنوں میں گھر لگ رہا تھا۔ پیڑ کے سائے میں وہ چاروں کرسیوں پر گرے پڑے تھے۔ ان کے چہرے فاقہ زدگان کا نقشہ پیش کر رہے تھے۔

"واقعی یار اب تو بھوک غضب کی لگنے لگی ہے۔ ہاں

میری محبوبہ!" اہتزاز نے لمبی آہ بھری۔ سعدین بھڑک اٹھا۔
"کون سی محبوبہ؟"
"میری محبت میرا پہلا عشق' میرا جنون' ہائے میری جان۔" جونیر نے دہائی دی۔
"جانہ سعدین جائے بنالا۔" راہب نے خوشامدی انداز میں کہا۔ اٹھائیس کھینچا تانی نے چاروں کے انجر پنجر ڈھیلے کردیئے تھے۔
"میں ہی نظر آتا ہوں تم لوگوں کو پتلی گردن کا؟ جونیر سے کہو میں نے ابھی چن کی صفائی کی ہے۔" سعدین بھڑک کر بولا۔
"بڑی اچھی صفائی کی ہے تو نے' دیکھ کر آرہا ہوں۔ سنک پہ کھڑا کاکروچ "رومانی" کرا کر اپنی مونچھوں کو تاؤ دے رہا تھا۔" جونیر سعدین پہ برس پڑا۔
"بھئی مجھ میں تو لڑنے کی بھی ہمت نہیں' کوئی جاکر بازار سے کھانا لے آؤ۔" اہتزاز کی فریاد کو کسی نے لائق خاطر نہ جانا' کسی کا بھی اٹھنے کا موڈ نہیں تھا۔
"اگر مارے بھوک کے میرا دم نکل جائے تو میری ماں کو اطلاع دے دینا کہ ہر سنڈے کو بھوکے کو کھانا کھلا دیں۔" آہ میں چلایا۔" راہب نے گردن اٹکالی۔
عائشہ کو بے ساختہ ان پر ترس آگیا۔ لڑکے کہاں عادی ہوتے ہیں ہانڈی روٹی پکانے کے۔ اوپر سے بھوک کے بھی کچے ہوتے ہیں۔
"آشا جو پانی زیادہ ہو تو پڑوس میں بھی بھجوا دیتا۔ میرا بھی لو ہو گیا ہے' چکر آرہے ہیں ورنہ جاکر خود مل آتی۔ میں فوراً لینے جارہی ہوں۔" امی نے آکر پیغام دیا تو اس کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ ابھی وہ یہی سوچ رہی تھی۔ ماربل کے ٹرے میں اس نے چکن بریانی نکالی' چھوٹے باؤل میں سلاد نکالا اور دونوں چیزوں کو پیپر سے ڈھک کر مین دروازے تک آئی۔ گلی سنسان ہو رہی تھی' کوئی بچہ بھی نظر نہیں آرہا تھا جس کے ذریعے کھانا بھجوائی۔ دو لمحے قدموں اندر آئی۔ امی آنکھیں موندے لیٹی تھیں' اسے ڈسٹرب کرنا مناسب نہ لگا۔ "دو ہی قدم کا تو فاصلہ ہے' خود دے آتی ہوں۔" اس وقت وہ میرون شرٹ' وہ پنے اور بلیک ٹراؤزر میں ملبوس تھی۔ اس نے اپنے سراپے پر ایک نظر ڈالی اور گلی میں نکل آئی۔
"اے اس حلیے میں کون آگیا؟"
"دیکھو شاید کوئی پڑی پھر اپوچھنے آئی ہوگی۔"
"تجھے تو اللہ نہیں پوچھتا' پڑی کیا پوچھے گی۔" ابھی اس نے بیل بجائی ہی تھی کہ اندر سے باتوں کی آوازیں آنے لگیں۔ "تو یہ لوگ اتنا تیز بولتے ہیں کہ یہ دس گھر سن لیں۔ لیکن گفتگو ہوتی دلچسپ ہے۔" وہ مسکرانے لگی۔
"اوئے جونیر جا بھائی اٹھ دروازہ کھول۔" اہتزاز نے کسلمندی سے پڑے پڑے کہا۔ "اٹھ نہ۔"
"اے تو اب اللہ ہی اٹھائے گا۔"
"تم سب کے پیروں میں مہندی لگی ہے' کمینو۔" سعدین کی بات پر وہ جھلاتے ہوئے اٹھا تھا۔
"اللہ جانے وہ مبارک دن آئے گا بھی یا ہم "کنوارے ارمان" لے کر ہی صندوقار جائیں گے۔" جواب خفگی آہ کے ساتھ راہب نے دیا تھا۔ بھاری قدموں کی آہٹ دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔ کٹ سے دروازہ کھول کر وہ اس کے روبرو تھا۔ گرے جینز' بلیک ٹی شرٹ کی قسمت جگا رہا تھا۔ "اف اس کی آنکھیں میں کیا پارہ۔" عائشہ ایک پل کو ٹھٹک گئی۔ خود جونیر بھی حیران رہ گیا۔ بے ساختہ دو قدم پیچھے ہٹا۔ اس کے وہم و گمان میں نہ تھا کہ دروازہ کھولنے پر کسی لڑکی کی صورت نظر آئے گی۔
"جی فرمایئے؟" لہجہ خاصا روکھا پھیکا تھا۔ عائشہ کو احساس ہوا کہ اس کی آواز کی طرح اس کی پرسنالٹی بھی بندے کو ہپناٹائز کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ سعدین نے بھی میرون لہراتا آنچل دیکھ لیا تھا اور "لڑکی" کا نعرہ لگایا تو وہ دونوں بھی سیدھے ہو کر دروازے کی طرف دوڑے۔
"اندر آیئے۔" اس سے پہلے کہ عائشہ کچھ کہتی۔ راہب نے جونیر کے شانے سے اچک کر کہا۔ باقی دونوں بھی دائیں بائیں آکھڑے ہوئے تھے۔ وہ گرچہ بہت بولڈ تھی مگر چار جوان لڑکوں کو بیک وقت اپنی طرف متوجہ پا کر نروس ہونے لگی۔
"السلام علیکم۔ میں یہاں پڑوس میں رہتی ہوں' یہ آپ لوگوں کے لیے لائی تھی۔" اس نے ٹرے ان کی طرف بڑھایا' جسے سعدین نے فوراً پکڑ لیا۔

"اندر آیئے۔ وہیں بہت تیز ہے، کچھ ٹھنڈا....." اہتزاز نے آداب میزبانی نبھانے چاہے تو راہب نے اس کی زبردست چٹکی لی۔

"کہیئے گھر میں کوئی ٹھنڈا وغیرہ نہیں ہے۔" وہ بظاہر سرگوشی میں بولا تھا مگر اس نے سن لیا۔ اس کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"نہیں شکریہ ویسے اگر آپ لوگوں کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو بلا جھجک ہمارے دروازے پر دستک دے سکتے ہیں۔ چلتی ہوں۔" وہ اپنا اعتماد بحال کر چکی تھی۔ اندر آتی کیسے؟ وہ چاروں تو دروازے ہی پر کھڑے تھے اور اس کا ایک پیر اندر اور دوسرا باہر تھا۔ تینوں ہی کی نظریں پرشوق تھیں مگر وہ سپاٹ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کا ارادہ اسے باہر ہی سے ٹرخانے کا تھا۔ وہ پلٹ گئی تو جونیر نے دھڑ سے دروازہ بند کر دیا۔

"کتنے غیر مہذب ہو مروہ بھی تم نے اسے اندر آنے کو نہیں کہا۔" سعدین اسے گھور رہا تھا۔

"میں ایسے فضول کام نہیں کرتا۔" اس کا لہجہ اکھڑا تھا۔ راہب نے سعدین کو تنبیہی نظروں سے کچھ سمجھایا تو وہ چپ رہ گیا۔ گھر آ کر اس نے کان اسی طرف لگا دیئے۔

"کتنے اچھے پڑوسی ہیں ہمارے۔ اللہ ایسے پڑوسی ہر بھوکے لڑکے کو دے۔" یا اہتزاز کی دعا تھی۔

"ٹرے ادھر لاؤ، دیکھو کیا کیا ہے؟" راہب نے جھپٹ کر نیوز پیپر اٹھا لیا اور وہ کھٹے چٹخنے لگے۔ "بریانی۔"

کھانے کے ساتھ ساتھ وہ لوگ مسلسل میزبان پڑوسی کی بات کر رہے تھے۔ ان کی گفتگو میں چھپوری نہیں تھی احترام و عزت ان کے لہجے سے عیاں تھا کہ ان کی پرورش یقیناً کسی اچھی آغوش کی مرہون منت تھی۔ وہ تینوں بول رہے تھے جب کہ جہانبان جونیر خاموش تھا۔

❁❁❁

عائشہ کے والد سعید احمد ٹینکر تھے۔ وہ اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھی۔ گھر میں محبت پیار سکون نے اس کی شخصیت میں اعتماد کا رنگ گہرا کر دیا تھا۔ بابا اور امی کی محبت کی پھوار میں وہ پروان چڑھی تھی۔ دادا دادی کئی سال پہلے وفات پا چکے تھے۔ وہ بی فارمیسی کی اسٹوڈنٹ تھی چونکہ اکلوتی تھی سو کبھی کبھی اپنے اکیلے پن سے اکتا جاتی تھی۔ بابا صبح کے گئے شام کو لوٹتے تھے اور وہ بھی یونی ورسٹی سے آ کر امی کی ہیلپ کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ ایسے میں پڑوس کا گھر آباد ہوا تو اس کی تنہائی کسی حد تک خوشگوار گزرنے لگی۔ وہ روز عائشہ یونی ورسٹی سے روبا کے ساتھ بس اسٹاپ کی طرف جا رہی تھی۔ روبا اس کی کالج اور اب یونی ورسٹی فیلو تھی اس کی واحد دوست۔ صبح تو بابا اسے ڈراپ کر جاتے تھے مگر واپسی اس کی روبا کے ساتھ ہی ہوتی تھی۔ وہ اسی کے ایریا میں دوسرے بلاک میں رہتی تھی۔ وہ مسلسل روبا سے نئے پڑوسی کی باتیں کر رہی تھی جبھی این ای ڈی یونی ورسٹی کے سامنے سے گزرتے ہوئے اسے وہ چاروں نظر آ گئے جو ایک ہی بائیک پر سوار ہونے کی "کوشش" کر رہے تھے۔

"روبا! یہ وہی لڑکے ہیں۔" اس نے ذرا پرے ہو کر سرگوشی کی۔

"یعنی کہ تمہارے نئے پڑوسی؟" روبا کا لہجہ حیران کن تھا۔ "لیکن یہ یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

"ذکر تو کر رہے تھے کل اپنی لڑائی میں کہ این ای ڈی کے اسٹوڈنٹ ہیں۔"

"دلچسپ۔" روبا کو بھی ان میں دلچسپی محسوس ہوئی جو سڑک کو فراموش کر کے "گفت و شنید" کر رہے تھے۔

"راہب کہنے! تجھے بائیک کو آج ہی "ہاسپٹل" بھیجنا تھا۔" سعدین بھنایا ہوا تھا۔ یہاں آتے ہوئے دادا جی نے صرف دو بائیک لے جانے کی پرمیشن دی تھی۔ کل راہب ایریا کا سروے کرنے نکلا تو اس نے بائیک ٹھوک دی تھی۔

"یقیناً کسی لڑکی کو دیکھ رہا ہوگا۔" اہتزاز نے کہا تھا اور بائیک بیمار ہو کر ہاسپٹل کو سدھار چکی تھی۔ نتیجتاً وہ تینوں جونیر کی بائیک پر سوار ہونے کی "سعی" کر رہے تھے۔

"آگے "ماما" پکڑ لے گا۔ ڈبل سواری منع ہے۔" یونی ورسٹی سے نکلتے کسی لڑکے نے کہا۔

"جبھی تو ہم "فورپل" سواری کر رہے ہیں۔" کے جواب پہ چاروں نے قہقہہ لگایا تھا۔ دفعتاً جونیر کے پھنچ گئے۔ اس کی نظر ذرا پرے عائشہ اور روبا پہ پڑی تھی اس نے یقیناً اسے پہچان لیا تھا۔ اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کلاسز چڑ حالیا۔

"جونیر اسٹارٹ تو کرو۔"

"اوکے رک جاؤ میں پہلے بیٹھ تو جاؤں۔ آگے تو کھسکو۔" سعدین نے راہب کی پشت پہ دھول جماتے ہوئے بیٹھ کر اس کے شانے تھام لیے۔ جونیر نے بائیک کو کک لگائی اور یہ جا وہ جا۔ بے چارا سعدین بکا بکا رہ گیا۔ وہ جونیر کو بیٹھا ہوا "تصور" کر رہا تھا بائیک اس کے آگے سے گزر گئی اور وہ دونوں پیر سڑک پر جمائے دونوں ہاتھ اکیے (جو اس نے راہب کے شانے پر رکھے تھے) حیران پریشان کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ اور جب صورت حال کا اندازہ ہوا تو ہی نے "پوزیشن" بدل کر بائیک کے پیچھے دوڑ لگا دی۔

"اوئے خبیثو رکو مجھے تو لیتے جاؤ میں چھوٹ گیا ہوں۔"

آشا اور روبا کا ہنستے ہنستے برا حال تھا۔

"مائے گاڈ۔ یہ تو فل آف انجوائے منٹ ہاتھ لگ گئی ہے۔" روبا نے ہنسی قابو کرتے ہوئے کہا۔ بیچ سڑک پہ وہ پاگلوں کی طرح ہنس رہی تھیں۔

"ہینڈسم تو بلاشبہ چاروں ہیں مگر سامنے والا ذرا زیادہ خوبرو ہے۔" روبا کہہ رہی تھی اور عائشہ کی نظروں میں دو پارہ صفت آنکھوں والا گھوم گیا۔

گھر آئی تو دیوار پار کھلے پٹ نے احساس دلایا کہ وہ لوگ بھی آچکے ہیں۔ امی کو سلام کرکے وہ اوپر چھت پر بنے کمرے کی طرف بڑھ گئی جو اس کے تصرف میں تھا۔ "اللہ جانے بیچارا سعدین کیسے آیا؟" اس کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ اسے شدید بھوک لگی تھی' پراٹھے چھنچ کرکے نیچے جانے کے بجائے اس کے دل میں خیال آیا کہ ذرا جھانک کر تو دیکھے وہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ اگرچہ یہ غیر اخلاقی حرکت تھی مگر عائشہ کی نیت بری نہیں تھی۔ ذرا آگے جا کر وہ کھڑی ہوگئی۔ ہلکی ہلکی گرمی کی پھنکی چادر میں صحن اس کے سامنے تھا۔ آم کے پیڑ کے نیچے چار کرسیاں اور چھوٹی سی گول میز پڑی تھی جس پر جیلی' بریڈ اور چائے کے گندے برتن پڑے تھے۔ تینوں کمروں میں موجود تھے۔ اس نے ذرا سا رخ پھیر کر دیکھا' کچن کے اندر راہب فرج سے پانی کی بوتل نکال رہا تھا جب کہ کچن سے ذرا پرے نیم کا پیڑ تھا۔ اس کی نظریں بے ساختہ جھک گئیں۔ بلیک جینز' بلیک شلوار اور بلیک ہی ناول گلے میں ڈالے پیڑ کی ڈال پہ شیشہ لگائے جونیر چہرے پہ شیونگ کریم لگا رہا تھا۔ وہ کچھ اس اسٹائل سے کھڑا تھا کہ عائشہ کو اس کا سائیڈ پوز دکھ رہا تھا جب کہ شیشہ اس اسٹائل سے رکھا ہوا تھا کہ شیشے سے وہ اسے بآسانی دیکھ سکتی تھی۔

"راہب! کم سے کم یہ صبح کے برتن تو اٹھا لو یہاں سے' حد ہوگئی جن برتنوں کو مکھی بھنبھنا چکھ رہی ہوں اب ہم ان میں کھائیں گے۔" اہتزاز کو صدمہ ہوا۔

"فی الحال تو بچ کا بتاؤ کیا انتظام ہے؟" جونیر نے شیونگ کٹ سے شیونگ برش نکال کر پانی میں ڈبویا پھر چہرے پر پھیرنے لگا۔

"یار ایسا کب تک چلے گا؟ ہمیں کوکنگ کے بارے میں سیریس ہونا چاہیے۔"

"ہاں مجھے پتہ ہے تیرے پاس "خواتین کا دسترخوان" ہے۔" کمر سے لٹکتے سعدین نے ٹکڑا لگایا تو اہتزاز اسے گھورنے لگا۔

"بات تو واقعی صحیح ہے۔ یہ روز روز کے مرغن کھانے کھا کر ہم بیمار ہو جائیں گے' جس طرح سارے کام بٹ گئے ہیں اسی طرح پکانے کی بھی بات طے کر لیتے ہیں۔ آج ڈنر سعدین بنائے گا' صبح بریک فاسٹ زکی' لنچ میں اور ڈنر جونیر بنالے گا' اسی طرح روز چلے گا۔" راہب نے کہا تو سب خاموش ہی رہے کہ باہر کے کھانے کھا کر وہ بھی اکتا گئے تھے۔

"فی الحال ابھی کے لیے بتاؤ' کیا لاؤں؟" سعدین گویا ہوا۔

"چکن سینڈوچ' فنگر چپس' کباب' فرائیڈ چکن' میٹھے میں آئی کا حلوہ اور فلاں فلاں....."

"اور میرے لیے زنگر برگر۔" جونیر نے بھی فرمائشی پروگرام میں حصہ لیا۔

"مردم لوگ' میرا جو جی چاہے گا وہ لاؤں گا۔" بائیک باہر نکالتے ہوئے سعدین دھاڑا۔

"یہ شیو کرنے کا کون سا وقت ہے؟" اہتزاز نے ناقدرانہ نگاہوں سے اس کے عمل کو دیکھا۔

"صبح تو تم لوگوں کے لیے بریک فاسٹ ٹھونسنے کا

انتظام کرنے چلا گیا تھا اسی باعث ابھی کر رہا ہوں۔"

راہب گندے برتن پچن میں لے گیا تھا اور اب اندر سے شرپ شرپ کی آواز آرہی تھی۔ غالباً انہیں غسل دیا جا رہا تھا۔ اہتزاز اندر کمرے میں کپڑے تبدیل کرنے چلا گیا تھا۔ جونیر نے شیشے کو ذرا سا اوپر اٹھایا تھا تاکہ کھڑکی کے نیچے ریزر چلا سکے دفعتاً اس کے ہاتھ ساکت رہ گئے۔ شیشے میں براؤن سوٹ والی حسینہ کو دیکھ کر اس کے لب بھنچ گئے اس نے سرعت سے گردن موڑی تھی اور عائشہ کافی دیر سے اسے دیکھ رہی تھی اس کے ایک دم سے پلٹنے پر گڑبڑا کر پیچھے ہٹ گئی۔ اس کی سپاٹ نظروں سے اسے ایک پل کو خوف بھی محسوس ہوا۔

❁❁❁

"السلام علیکم باوا۔" دروازہ کھولتے ہی شفیق سے باوا پر نظر پڑی تو عائشہ کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"وعلیکم السلام۔"

"آج آپ کو دیر ہوگئی؟"

"ایک دوست کی عیادت کو چلا گیا تھا۔" فروٹ کے شاپر باوا نے اسے تھمائے۔ پھلوں کو سلیقے سے فریج میں رکھ کر چائے بنانے لگی۔ چائے اور سموسے لے کر آئی تو امی باوا روزمرہ کی باتیں کر رہے تھے۔ معمول کی طرح وہ بھی ان کی باتوں میں حصہ لینے لگی۔ روز باوا کے آنے کے بعد باوا بینک کی عائشہ یونی ورسٹی اور امی ادھر ادھر کی باتیں شیئر کرتی تھیں جس سے وہ سب غائبانہ طور پر سارے قصے سے آگاہ ہو جاتے تھے۔ ان کا وقت بھی اچھا کٹ جاتا تھا اور ان کے درمیان محبت کی چادر بھی تنی رہتی تھی۔ باوا کے کتنے بینکر کولیگ تھے جنہیں عائشہ نے نہیں دیکھا تھا لیکن ان کی باتیں سن سن کر اسے لگتا تھا کہ وہ اسے جہاں کہیں نظر آئیں گے وہ انہیں پہچان لے گی۔ ان کے گھر دکھ سکھ مشترکہ تھے اور آج کے دور میں جو لوگ ایک ہی گھر میں ہوتے ہوئے بھی اجنبی لگتے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے اپنی ذات کے اندر ایک قلعہ بنا کر خود کو اس میں مقید کر لیا ہے اور بعض اوقات اسی قلعے کے باعث وہ الجھنوں کا شکار نظر آتے ہیں۔ ادھر ادھر کی باتیں کر کے باوا جب نئے پڑوسی کا ذکر لے بیٹھے تو وہ مزید انہماک سے سننے لگی کہ آج کل اس کی دلچسپی کا مرکز وہی لوگ تھے۔

"ابھی آتے ہوئے مجھے ملے تھے چاروں لڑکے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر خود ہی سلام کیا کہ انکل آپ کو روز دیکھتے ہیں۔ حال احوال پوچھنے پر پتہ چلا کہ ان میں سے دو یادو کے بیٹے ہیں اہتزاز اور راہب نام بتایا تھا۔ ایک مسیح کا بیٹا ہے سعدین اور تیسرا کے بیٹے کا نام جہانبان جونیر ہے۔ کافی دوستی تھی میری تینوں بھائیوں سے اور ان کے لڑکے بھی ماشاء اللہ بڑے سلجھے ہوئے تمیز دار ہیں۔"

"تمیز دار اور سلجھے ہوئے؟" باوا کی بات جاری تھی کہ امی نے حیرت سے استفسار کیا۔ "تو یہ اتنا اونچا بولتے ہیں کہ دس گھروں تک ان کی آواز جاتی ہوگی۔"

"اس عمر میں تو سارے ہی لڑکے کھلنڈرے ہوتے ہیں۔ یہ کوئی اتنی بڑی برائی نہیں ہے۔" باوا نے فوراً اختلاف کیا۔ "برے تو اصل میں وہ لڑکے ہیں جنہوں نے اوٹ پٹانگ نشہ کے ہاتھوں خود کو برباد کر رکھا ہے۔ پان' چھالیہ' گٹکا' سگریٹ دیگر نشہ آور ریفریشمنٹ نے ان سے سوچنے کی صلاحیت چھین لی ہے کہ وہ خود موت کو دعوت دے رہے ہیں۔ دیکھ تو رہی ہو امی کے باعث گلے' دانتوں اور مسوڑے کا کینسر کیسے عام ہو رہا ہے۔" امی بھی اثبات میں سر ہلانے لگیں۔ "یہ لڑکے تو صرف اونچا بولتے ہیں' خدانخواستہ کوئی اخلاقی برائی نہیں ہے ان میں۔"

"آپ تو پورے حمایتی ہیں لڑکوں کے۔" امی نے مسکراتے ہوئے چھیڑا۔

"باوا کیا آپ بھی ایسے ہی تھے؟" عائشہ کے سوال پر باوا بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنسے۔

"کچھ کچھ۔ وہی تو ہنسنے کے دن تھے' جب سے تمہاری امی آئیں' ہنسنا بھلا دیا انہوں نے۔" باوا شوخی سے امی کو دیکھ رہے تھے جو جھوٹی خفگی سے انہیں گھور رہی تھیں۔

"اہم بات تو رہ ہی گئی۔ دوست کے بیٹے اور پڑوسی ہونے کے ناتے میں نے کل چاروں کو چائے پر انوائٹ کر لیا ہے۔"

"اچھا کیا' میں بھی جاننے کے بارے میں سوچ رہی تھی مگر لڑکوں کا سن کر جا ہی نہ سکی۔" امی نے تائید کی۔

"دیکھو تو کتنی خاموشی ہے تم ناتق بے چاروں کے

رہی تھیں۔ عین اسی وقت کوئی چیز زوردار آواز کے ساتھ گری تھی۔ ساتھ ہی "مارو پیٹو" کی آواز کے ساتھ چیخ و پکار کا بازار گرم ہو گیا تھا۔ دیوار پار عائشہ بے ساختہ ہنستی چلی گئی۔ بابا نے امی کی طرف دیکھا تھا اور خود بھی مسکرا دیے۔

❁❁❁

دیوار کے پار روز صبح والی ہڑبونگ مچی ہوئی تھی۔ وہ لوگ یونی ورسٹی سے لیٹ ہو رہے تھے اور اہتزاز اٹھ کے نہیں آ رہا تھا۔ اس کے ذمے بریک فاسٹ بنانا تھا مگر وہ پڑا سو رہا تھا۔ جب وہ لوگ اسے جھنجھوڑ کر تنگ آ گئے تو چیخنے چلانے کے بجائے سعدین اور راہب نے اس کی ٹانگیں اور جونیر نے اس کے بازو پکڑے اور آرام سے لا کر دھوپ بھرے فرش پر چھوڑ کر خود تیار ہونے چلے گئے۔ تیتے فرش نے جب اس کی پیٹھ جلائی تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور خود کو گرم زمین پر دراز دیکھ کر اس کی ساری نیند ہوا ہو گئی۔ پیٹھ الگ جل گئی تھی۔ بچارا بمشکل تک کے تکلف سے آزاد تھا۔ اس نے خوب واویلا مچایا مگر فریادی کی شنوائی ہوتی نہیں الٹا اسے کچن میں دھکیل دیا گیا تھا اور جب اس نے "بوائل انڈے" اور "آملیٹ" رکھے تو جونیر نے دل تھام کر پوچھا تھا۔ "زمی! آملیٹ کون سی نسل کی مرغی کے انڈے کا ہے؟"

"ہر رنگ و نسل سے پرے ہے۔" اہتزاز نے ڈھٹائی کے سارے پچھلے ریکارڈ توڑ ڈالے تھے۔

"انڈے پہ دوہری مرچیں لیٹی ہوئی ہیں اور پیاز چہل قدمی کر رہی ہیں۔ میں نہیں کھاؤں گا آملیٹ کے نام پہ یہ "ملغوبا"۔" اس نے صاف کہہ دیا۔

"تم مرچیں اور پیاز باریک نہیں کاٹ سکتے تھے؟" راہب کو بھی انڈوں کا غم لاحق تھا۔

بے چاری مرغی اگر دیکھ لیتی کہ اس کے انڈوں کے ساتھ زمی نے کتنا بھیانک انتقام لیا ہے تو شاید انڈے دینے سے بھی معذرت کر لیتی۔ سعدین نے زردی پھٹے بوائل انڈے کو برے کیا۔ ان کی باتوں سے قطع نظر اہتزاز ہر پیٹ پہ ٹیلی لگا کر ٹھونس ٹھونس کر کھا رہا تھا کیوں کہ اپنے تجربے اس پر خود بھاری لگ رہے تھے۔ ناچار ان سب کو بھی کھانا پڑا۔

❁❁❁

آنکھوں میں سجا کے خواب تیرے میں جھومتی رہتی ہوں
تیرا نام ہتھیلی پہ لکھ کر اسے چومتی رہتی ہوں

عائشہ نے آج یونی ورسٹی سے چھٹی کی تھی۔ اس کا ارادہ چائے کے ساتھ ریفریشمنٹ میں ساری چیزیں خود بنانے کا تھا بھی صبح صبح اٹھ گئی تھی۔ بریک فاسٹ بنا کر بابا امی کو دیا' بابا واپنگ سدھارے تو اس نے صفائی ستھرائی کی مہم شروع کی۔ امی نے میلپ کرنا چاہی تو انہیں اوپر اپنے کمرے میں آرام کا مشورہ دے کر بھیج دیا۔ ریڈیو آن تھا' وہ صفوں کی ڈسٹنگ کر رہی تھی جبھی اس سونگ نے ایک پل کو اس کے چلتے ہاتھ ساکت کر دیے۔

تیرا پیار میرے دل پہ جس دن سے چھایا ہے
مجھے میں نے اپنے ساتھ ہمیشہ پایا ہے
تیرا دھوکا ہو مجھے دھڑکن کی آوازوں پر
تیرا سایہ دیکھوں دیواروں' دروازوں پر
یہ سب کچھ جھوٹ نہیں ہے میں سچ کہتی ہوں

لفظوں کی گھنی میٹھی آنچ نے اس کے دل کو چھوا تھا اس گھڑی عائشہ جیسے خود پر منکشف ہو رہی تھی۔ آگہی و شعور نے اس کے ذہن پہ ہولے ہولے دستک دینا شروع کر دیا تھا۔ فہم و ادراک کے خوشنما پردوں سے جھانک کر چپکے چپکے مسکرا رہے تھے۔ دیوانِ دل پہ ایک شبیہ نقش ہوتی گئی۔ ذہن کے دریچوں سے بار بار ایک عکس جھلک دکھا رہا تھا۔ وہ اپنی جگہ مجسم ہو گئی۔ "تو کیا میں.....؟" اس سے آگے وہ خود جھجک گئی تھی۔ اسے خبر تھی کہ اس کی آواز سن کر بے خود ہو جاتی ہے جب بھی اس کی آواز سن کر گنگناتی تو وہ اپنے کمرے کی کھڑکی کے گلاسز سے نیچے جھانک کر اسے دیر تک دیکھتی تھی اور اسے احساس بھی نہیں ہوتا تھا کہ کالے شیشوں کے پار سے کوئی اس کی ایک ایک ادا کو جذب کر رہا ہے اور اس گھڑی ان لفظوں نے جیسے اسے خود پر عیاں کر دیا تھا۔ "کیا ایسے ہوتی ہے محبت.....؟"

پگھل چکی رہتی ہے میرے ارمانوں میں
شمع کی طرح میں اڑتی ہوں طوفانوں میں
تیری چاہتوں نے بخشے جو ہیں جذبات مجھے
سونے نہیں دیتے وہ ساری رات مجھے
میں پل پل ان جذبات کی رو میں بہتی ہوں

اس کی نظریں بار بار گھڑی کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ دیوار پار کی خاموشی اسے بے کل کر رہی تھی۔ کب آئے گا وہ؟ کب وہ اس کی آواز سے سماعت کو بھگو پائے گی؟ روز وہ خود جب گھر آتی تھی تو اسے لگتا تھا وقت تیزی سے گزر گیا اور آج جب وہ انتظار کے کرب سے گزر رہی تھی تو اسے لگ رہا تھا سوئیاں اپنی جگہ ساکت ہیں مگر ایسا کچھ نہیں تھا۔ یہ اس کے دل کی بے چینی تھی جو ایک ایک پل اسے صدیوں جیسا لگ رہا تھا۔ سوئیاں اپنی رفتار سے گردش کر رہی تھیں۔ گردش میں تو اس کے جذبات تھے ان جذبات میں مچلتی خواہش تھی جس نے اسے بے قرار کر رکھا تھا اور وہ خود سے استفسار کر رہی تھی۔

عائشہ کو یقین تھا کہ دنیا میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو اس کے دل کے دروازے کو عبور کر سکے مگر جہانبان جونیر نے اس کی سوچ کی دھجیاں بکھیر دی تھیں۔ اس کے وجود نے اسے بتا دیا تھا کہ کسی خاص بندے کا احساس بہت طاقت ور ہوتا ہے۔

دیوار کے اس پار شور و غل کا بازار گرم ہوا تو اسے یہ شور آج کچھ زیادہ ہی اچھا لگ رہا تھا۔ کیوں کہ اس کے اندر بھی ایک شور محبت نے برپا کر رکھا تھا۔ اس نے ساری چیزیں تیار کر لی تھیں بس فرائی کرنے والی چیزیں فرائی کرنے کو پڑی تھیں۔ بابا آگئے تو اس نے وہ کام بھی کر ڈالا۔

"جونیر! تم بیٹھے رہو اب تک اٹھ جاؤ۔" راہب کی آواز آئی تو اس کا دل سماعت بن کر دھڑک اٹھا۔ وہ یقیناً ان کے ہاں آنے کی بات کر رہے تھے۔

"میرا کوئی موڈ نہیں ہے جانے کا تم تینوں چلے جاؤ۔" لاپروا جواب تھا۔ عائشہ کباب کے لیے پیاز کاٹ رہی تھی پیاز اس کے ہاتھ سے پھسل کر دور جا گری اور تیز چھری انگلی کو جا لگی۔ "سی" کے ساتھ اس نے چھری نیچے رکھ کر انگلی کو دبایا۔

"انہوں نے ہم چاروں کو بلایا ہے برا لگے گا سعید انکل کو۔ کتنے پیار سے انوائیٹ کیا ہے انہوں نے۔ اصولاً تو ہمیں خود ان کی طرف جانا چاہیے تھا بڑے ہیں وہ ہمارے پرسوں تائی امی نے فون کیا تو اصرار کیا تھا کہ ہم ان کی فیملی سے مل چل کر رہیں۔" سعدین نے زہرا کا نام لیا۔

"جونیر! دنیا میں ہر رنگ و نسل کے لوگ ہیں سب کی دو آنکھیں ایک ناک اور منہ ہے مگر فطرتاً سب ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہیں۔ کسی کی پرچھائیں ہر چہرے پہ تلاش کرنا کوئی اچھی بات نہیں۔" یہ استہزاز کی آواز تھی انداز ناصحانہ تھا۔ عائشہ کو حیرانی ہونے لگی یہ کس "گوڈ ورڈز" میں بات کر رہے تھے وہ لوگ؟ اتنی سنجیدہ گفتگو تو ان کی کبھی نہیں سنی تھی۔ کیا سمجھانا چاہ رہے ہیں سب جونیر کو؟ مگر چاہنے کے باوجود بھی اسے ان کی گفتگو سمجھ میں نہیں آ رہی تھی سب کافی دیر تک اس کی خوشامد کرتے رہے تھے۔

"وہ کیوں نہیں آنا چاہتا ہمارے ہاں؟" عائشہ کو یہ سوال بے کل کر رہا تھا۔

"میں انکار نہیں سنوں گا جونیر۔ سعدین تم اس کا سوٹ بھی پریس کر دو۔" راہب نے خاصی سنجیدگی سے کہا۔

"تم زبردستی کرو گے میرے ساتھ؟" اسے غصہ آ گیا۔

"ہاں کروں گا اس لیے نہیں کہ میں تم سے ایک سال بڑا ہوں بلکہ اس لیے کہ تم مجھے عزیز ہو۔ اس سے پہلے کہ تمہارے اندر موجود زہر تمہاری رگوں کو نیلا کر دے نارمل انسان کی طرح جینا سیکھو۔" راہب ہنوز سنجیدہ لب و لہجے میں گفتگو کر رہا تھا۔ اس کے لب بھنچ گئے۔

"مان جاؤ یار۔" سعدین نے اس کا شانہ ہلکے سے پریس کیا تو لمبی سانس بھر کے وہ "ٹھیک ہے" کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔

ایک گھنٹے بعد ان کے دروازے پہ ڈور بیل بجی تھی۔ عائشہ کچن میں رہی بابا نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

"السلام علیکم انکل۔" کورس میں سلام کیا گیا تھا۔

"وعلیکم السلام آؤ آؤ۔" چاروں ہی لائن سے اندر داخل ہوئے سب سے آخر میں جونیر تھا جو مارے باندھے آیا تھا اور جیسے موقع ملتے ہی بھاگ جانے کا ارادہ رکھتا ہو۔ چاروں نے باوا سے مصافحہ کیا تھا امی نے مسکرا کر گرم جوشی سے انہیں خوش آمدید کہا۔ اس وقت وہ لوگ جس قدر سنجیدہ و متین نظر آ رہے تھے اس پارسائی کو خوشی ہو رہی تھی ورنہ ان کی باتیں سن سن کر تو وہ چاروں انہیں شیطان ہی لگتے تھے مگر ان کے چہرے سے ہویدا شرافت و پاکیزگی نے انہیں پل بھر میں بابا کا ہمنوا کر دیا۔ امی نے آگے بڑھ کر باری باری سب کے

سروں پہ ہاتھ پھیرا تھا اور اس وقت آشا کو جھٹکا لگا جب جونیر دانستہ طور پر امی کی سائیڈ سے نکل گیا۔ امی نے اس کے سر پر ہاتھ نہیں پھیرا تھا۔ انہیں اس بات کا احساس بھی نہیں ہوا کہ وہ آگے سے نکل گیا ہے مگر عائشہ کی نگاہیں جہانبان جونیر پر ہی ٹکی تھیں' وہ حیران رہ گئی۔ "ایسا کیوں؟"

تھوڑی ہی دیر بعد ڈرائنگ روم سے باتوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ ساری چیزوں پہ تنقیدی نظر ڈال رہی تھی مگر اس کا ذہن جونیر میں اٹکا ہوا تھا۔ اسے اب محسوس ہو رہا تھا اس کی نظر جب بھی اس پہ پڑتی تھی' اسی کی نظریں سپاٹ ہو جاتی تھیں اور ان سپاٹ نظروں کے اس پار کوئی طوفان جھانک رہا ہوتا تھا۔ درد کا طوفان' غصے کا طوفان' نفرت و عداوت کا طوفان' ایسا کیوں تھا؟

"عائشہ میز لگا لو کی یا میں ہیلپ کروں؟" امی نے آکر اسے سوچوں کے گورکھ دھندے سے نکالا۔

"نہیں' میں کرلوں گی۔" امی مطمئن چلی گئی تھیں' وہ چیزیں میز پر لگانے لگی۔

"کیک تو فریج سے لے آؤ جو تم نے صبح ہی سے بنا کے رکھا ہوا ہے۔" امی نے میز کا تنقیدی نظروں سے جائزہ لیتے ہوئے کہا تو وہ فریج کی طرف بڑھ گئی۔ فروٹ کیک لے کر واپس آئی تو وہ سب میز کے گرد تھے۔ آٹھ چیئرز کی ڈائننگ میز انواع و اقسام کی چیزوں سے بھری پڑی تھی۔

"السلام علیکم۔" اس نے ہولے سے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام' بیٹھی رہیے۔" سعدین نے بڑی متانت سے کہا۔ اس کے لب بے ساختہ مسکرا دیئے۔

"تم بھی بیٹھ جاؤ بیٹا۔" بابا کے کہنے پر وہ بھی ایک چیئر پر بیٹھ گئی۔

"بھئی یہ میری اکلوتی بیٹی ہے عائشہ اور عائشہ یہ راہب ہے' یہ اہتزاز' یہ سعدین اور یہ جہانبان جونیر ہے۔" تینوں نے اپنے اپنے اسٹائل سے اسے وش کیا تھا۔

"یہ تمام چیزیں میری بیٹی نے یونی ورسٹی سے چھٹی کر کے بنائی ہیں۔ کھا کر بتاؤ کیسی بنی ہیں؟" بابا با اخلاق میزبان کی طرح انہیں ایک ایک ڈش پیش کر رہے تھے۔

"یہ کوکنگ بلاشبہ بہت اچھی کرتی ہیں۔ ہم نے آپ کے ہاتھ کی بریانی کھائی ہے' اور ایک عرصہ بعد یہ اتنی مزیدار چیزیں کھا کر لگ رہا ہے ہم بھی "زندوں" میں ہیں ورنہ اپنے ہاتھ کے کھانے کھا کر ہمارا "خودکشی کا پلان" بننے لگا تھا۔" سعدین کی گفتگو بڑی دلچسپ تھی۔ بابا خوب محظوظ ہو رہے تھے۔ تینوں کھانے اور بولنے کا دونوں کام احسن طریقے سے کر رہے تھے جب کہ وہ برائے نام چیز پلیٹ میں ڈالے آنکھیں جھکائے منہ میں نگلیاں ڈالے بیٹھا تھا۔ چائے سے فارغ ہو کر ایک بار پھر وہ سب ڈرائنگ روم میں چلے آئے۔

"کیا کر رہے ہو تم لوگ؟" بابا نے کشن گود میں رکھتے ہوئے سوال کیا۔ آشا خالی پڑے صوفے پہ بیٹھ گئی۔

"پڑھ رہے ہیں۔ این ای ڈی میں مکینکل انجینئرنگ کی ڈگری کے حصول میں کوشاں ہیں ہم چاروں۔" جواب اہتزاز نے دیا تھا۔

"آپ کیا کر رہی ہیں عائشہ کئی بار آپ کو کراچی یونی ورسٹی سائیڈ پہ دیکھا ہے؟" یہ راہب تھا۔

"بی فارمیسی کر رہی ہوں وہاں سے۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"ویری گڈ۔ اچھا فیلڈ سلیکٹ کیا ہے آپ نے۔ پرسنل انٹرسٹ تھا یا کسی نے فورس کیا؟" سعدین بھی متاثر نظر آرہا تھا۔

"میرا پرسنل انٹرسٹ تھا۔ امی' بابا نے مجھے فری ہینڈ دے رکھا ہے ہر معاملے میں اور میری پوری کوشش ہوتی ہے کہ ان کا اعتماد مجروح نہ کروں۔" وہ بڑی سہولت سے گفتگو کر رہی تھی۔ اس کے جواب پر جہانبان جونیر نے شاید پہلی بار نظر اٹھا کر اسے دیکھا تھا' جب سے آیا تھا۔ وہائٹ اور پرپل کے خوب صورت پرنٹڈ شرٹ' وہائٹ ٹراؤزر میں شرٹ سے ہم رنگ دوپٹہ اوڑھے' پاؤں پر پاؤں چڑھائے' وہ بڑے اعتماد سے گفتگو میں حصہ لے رہی تھی۔

"جونیر اگلتا ہے بہت کم بولتے ہو؟" امی نے یونہی اس کی خاموشی پہ کہا تھا۔ وہ چپ رہا تو امی کے ساتھ اس نے بھی یہی محسوس کی۔

"جی بہت کم بولتا ہے۔" راہب نے غالباً دانت پیس کر جواب دیا تھا۔

"اب ہمیں اجازت دیجیے۔" کافی اچھی گپ شپ

چل رہی تھی جب وہ ایک دم سے اٹھ کھڑا ہوا۔ عائشہ نے تینوں کے چہرے غصے سے سرخ پڑتے دیکھے تھے۔ باوا نے ڈنر پر اصرار بھی کیا مگر وہ بہولت سے معذرت کر گئے۔ امی نے حسب عادت رخصت کرتے وقت ایک بار پھر ان کے سروں پہ ہاتھ پھیرا تھا اور ایک بار پھر وہ آگے سے نکل گیا تھا۔ اب کے امی نے اس کی حرکت کو محسوس کر لیا تھا مگر انہوں نے محسوس ہونے نہیں دیا۔

عائشہ نے ایک بات اور محسوس کی' وہ امی اور اس کی طرف دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔

امی' باوا انہی کے متعلق باتیں کر رہے تھے' وہ اپنے کمرے کی کھڑکی کھول کر بیٹھ گئی تاکہ ان کی گفتگو سن سکے۔

"کہاں ہے جونیر؟" سب سے پہلے راہب کی غصیلی آواز سنائی دی۔

"بائیک لے کر باہر نکل گیا ہے۔" اہتزاز نے صحن میں پڑی چیئر پر بیٹھتے ہوئے بتایا۔ آسمانے کمرے کو مکمل تاریکی میں ڈبو رکھا تھا تاکہ انہیں شک نہ پڑ جائے کہ وہ ان کی گفتگو سننے بیٹھی ہے۔ جونیر کے عجیب و غریب رویے نے اسے مزید دلچسپی لینے پر مجبور کر دیا تھا۔

"کس قدر بدتہذیبی کا ثبوت دیا آج اس نے۔ آنٹی کتنی محبت سے ملیں مگر اس نے ہمیں جی بھر کے شرمندہ کیا۔" راہب غضب ناک لہجے میں بول رہا تھا' اس بات سے قطع نظر کہ وہ ان کی باتیں بغور سن رہی تھی۔ امی' باوا انی دی کھولے بیٹھے تھے' اس نے شکر ادا کیا ورنہ ان کے کانوں تک بھی ساری باتیں پہنچ جاتیں۔ صحن میں بیٹھے تینوں ہی اسی کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ عائشہ بیٹھے بیٹھے تھکنے لگی تھی' وہ اٹھنے ہی والی تھی جب بائیک کی آواز پر سعدین نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔

وہ بائیک اندر لا رہا تھا' بلو جینز' وہائٹ شرٹ میں خاصا ڈیشنگ لگ رہا تھا۔ صحن میں لگی ٹیوب لائٹ کی روشنی میں آسانی کو سارا منظر بہ آسانی دکھائی دے رہا تھا۔ بائیک کھڑی کر کے وہ اندر تک آیا۔

"کہاں گئے تھے؟" اہتزاز نے راہب کی طرف ڈرتے ڈرتے دیکھا۔ نظروں ہی نظروں میں اس سے کوئی التجا بھی کی مگر راہب کے تیور آج کسی التجا کو خاطر میں نہ لانے والے لگ رہے تھے۔

"یونہی آوارہ گردی کرنے۔" وہ بھی وہیں برا جمان ہو گیا۔ عائشہ کو اب صرف اس کے سر کے براؤن بال نظر آ رہے تھے' پر آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

"کتنی جہالت کا ثبوت دیا آج تم نے۔ تمہیں احساس ہے آنٹی کو کیسا فیل ہوا ہوگا تمہاری حرکت پہ۔ انہوں نے تمہیں پیار سے بلایا تھا' اپنائیت کا ثبوت دینے کے خیال سے نہ کہ انہیں اپنی بے عزتی مقصود تھی۔" راہب کو کم کم ہی غصہ آتا تھا مگر بڑا غضب کا ہوتا تھا اس کا غصہ۔

"میں تو پہلے ہی انکاری تھا' جانا نہیں چاہتا تھا تم نے ہی فورس کیا تھا۔" مدمقابل بھی سوڈھیوں کا ڈھیٹ جونیر تھا' بھلا کسی کو کم ہی خاطر میں لاتا تھا' کجا کہ معمولی سا غصہ۔

"ہاں میں تمہیں فورس کر کے لے گیا تھا مگر میں نے تمہیں ان کی بے عزتی کا لائسنس نہیں دیا تھا۔" راہب تپ ہی تو گیا اس کے جواب پر۔

"راہب' فورگیٹ دس ٹاپک۔" سعدین دبے دبے لہجے میں بولا۔

"وہائے فورگیٹ دس ٹاپک؟ یہ کیوں نہیں سدھرتا؟ کیوں اپنے اندر کے زہر کو نہیں نکال پھینکتا؟ کیوں نہیں خود پہ رحم کرتا؟ کیوں عورت کو بہن' بیٹی نہیں ناگن سمجھتا ہے؟"

"ناگن ہی تو ہے عورت' جو خوشیوں' ارمانوں' خواہشوں کو ڈس لیتی ہے۔ ناقابل برداشت ہے میرے لیے عورت کی موجودگی۔ جی چاہتا ہے دنیا کی ساری عورتوں کو گولی مار دوں' جہنم واصل کر دوں ساری عورتوں کو۔ میں دنیا کی تمام عورتوں سے نفرت کرتا ہوں۔" گلاس پٹخ کر وہ ایک کمرے کی طرف بڑھ گیا اور دھماکے سے دروازہ بند کر دیا۔ وہ تینوں متحیر انداز میں بند دروازے کو دیکھتے رہے۔ عائشہ کی ٹانگیں بیٹھے بیٹھے لرزنے لگیں۔ اس کے لہجے کی سفاکی' بے رحمی' نفرت میں شرابور الفاظ اس کی سماعت میں گونجے تو وہ بیڈ پہ گر گئی۔ "اتنی نفرت..... اتنی ناپسندیدگی..... اتنی ناگواری..... اتنی کراہیت' مگر کیوں.....؟"

سارا کمرہ پل بھر میں تپ ہو چکا تھا۔ ہر شے بکھر گئی تھی۔ گلدانوں کے پھول مسل گئے تھے' ماحول میں ایک عجیب سی اداسی طلوع کر گئی تھی اور یہ اداسی اپنے اندر طوفان

چھپائے بیٹھی تھی۔ طوفان گزر گیا تھا ہر چیز تہس نہس کر کے وہ دونوں ہاتھوں سے کنپٹی کو دبائے بیڈ پر بیٹھا تھا۔ "مجھے یہ بن جیمرج کیوں نہیں ہو جاتا؟ میری شریان پھٹ کیوں نہیں جاتی؟ میرا دل بند کیوں نہیں ہو جاتا؟ وہ واپوریٹ کے پل سے گزر رہا تھا۔ کافی دیر تک تینوں نے دروازے پر دستک دی تھی اور جب اس نے ہمیشہ کی طرح دروازہ نہیں کھولا تو وہ لوگ تھک کر اپنے اپنے کمروں کو چلے گئے۔ جانتے تھے کہ یہ دروازہ اب صبح ہی کھلے گا۔

وہی جونیئر جو سارا دن قہقہے لگاتا تھا اب وہی درد سے تڑپ رہا تھا۔ اندر پنپتے ناسور پہ ایک بار پھر چوٹ لگی تھی' رخساروں پہ بہنے کے بجائے اس کے آنسو اندر گر رہے تھے اور ہر گرتا قطرہ اس کی آنکھوں کو مسخ کرتا جا رہا تھا۔

❁❁❁

دادا جی کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ سب سے بڑے یاور' پھر دونوں بیٹیاں سدرہ اور فریدہ' پھر فصیح اور سب سے چھوٹے تیمور رضا تھے۔ دونوں بیٹیاں کم عمری ہی میں بیاہ کر سسرال چلی گئی تھیں۔ سدرہ چچا کے گھر تو فریدہ تایا کے گھر رخصت ہوئی تھی۔ یاور اور فصیح کا مزاج دادا جی پر گیا تھا' انہیں کھیتی باڑی میراث میں ملی تھی۔ یاور اور فصیح نے مڈل تک تعلیم حاصل کی تھی اور دادا جی کا ہاتھ بٹانے لگے۔ انہیں اپنے سارے ہی بچوں سے پیار تھا' مگر ان کی جان چھوٹے تیمور رضا میں قید تھی۔ تیمور کی پیدائش پہ دادی جان کی زندگی ہی بچی جو وہ بچ نہ سکیں ورنہ ان کی زندگی کی کوئی امید نہیں رہی تھی۔ بقول خود دادی اور تیمور رضا خیریت سے رہے' پھر مزید بچہ ان کی آغوش میں نہیں آیا تو تیمور انہیں اور زیادہ عزیز ہو گئے۔ سب کو ہی ان سے بے پناہ محبت تھی اور اسی محبت سے انہوں نے فائدہ اٹھانا شروع کر دیا۔ ضد' سرکشی' جذباتی پن ان کی شخصیت کا خاصہ تھا۔ جب سے انہوں نے ہوش سنبھالا تھا ہر بریت روح کو توڑتے آئے تھے۔ دونوں بیٹوں کی طرح جب تیمور نے بھی مڈل پاس کر لیا تو دادا جی کی خواہش تھی کہ وہ بھی بھائیوں کا ہاتھ بٹائیں مگر انہوں نے انکار کر دیا اور ساتھ ہی فرمائش بھی کر دی کہ انہیں شہر بھیج کر پڑھایا جائے۔ عزیز بیٹے کی بات دادا جی نے مان لی اور انہیں شہر میں داخل کروا دیا گیا۔ میٹرک کے بعد مزید تعلیم کا سن کر دادا جی نے سمجھایا مگر ان کی ایک نہ چلی اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اجازت دینے پر مجبور ہو گئے۔ بیٹے کی جدائی دونوں ہی پہ بھاری تھی مگر انہیں یقین تھا کہ کچھ بھی ہو جائے وہ لوٹ کر ابھی تک آئیں گے مگر تیور کتنے ہٹ دھرم ہو گئے تھے اس کا اندازہ دادا جی کو ان وقت ہوا جب ایف ایس سی شاندار نمبروں سے پاس کر کے تیمور نے آرمی میں جانے کی خواہش ظاہر کی۔ دادا جی کے پرکھوں میں سے آج تک کوئی کھیتی باڑی سے نہیں ہٹا تھا اور تیمور پہلے تھے جنہوں نے اس روایت کو توڑنے کی ٹھان لی تھی۔ دادی جی نے لاکھ آنسو بہائے' بہوؤں نے منت کی مگر ان کی ہٹ دھرمی اپنی جگہ مسلم تھی۔ آرمی ان کا خواب جنون تھا جس سے وہ کسی صورت دستبردار نہیں ہو سکتے تھے۔ مگر اس بار دادا جی بھی اڑ گئے' نتیجتاً تیمور نے اپنی منوانے کے لیے خودکشی کی بھی کوشش کی اور یہیں سب ہار گئے۔ تیمور لیفٹیننٹ بن کر آئے تو اسی سال یاور اور فصیح کی شادی ہو گئی۔

زندگی اچھی بھلی گزر رہی تھی' وہ جب بھی چھٹیوں پر آتے دادی جی' بھتیجیوں ان کی شادی کی بات لے کر بیٹھ جاتیں مگر انہوں نے صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ وہ غیر خاندان میں اور اپنی پسند سے شادی کریں گے۔ سب کو ماننے ہی بنی کہ اختلاف کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ گاؤں کی زمین رفتہ رفتہ سیم و تھور کا شکار ہونے لگی تو دادا جی کا دل کھیتی باڑی سے اچاٹ کیا۔ انہوں نے بیٹوں کے فورس کرنے پر ساری زمین بیچ دی اور یاور فصیح نے لیدر کا بزنس شروع کر دیا۔ قسمت مہربان تھی جو ان کا بزنس چل نکلا۔ پھر سب گاؤں چھوڑ کر کراچی شفٹ ہو گئے۔ تیمور رضا ان دنوں نئے نئے کیپٹن کے رینک پر فائز ہوئے تھے۔ جب دشمن نے دھوکے سے ان کی چوکیوں پر حملہ کر دیا۔ ان کے ساتھیوں اور انہوں نے بڑی جوانمردی سے ان کے حملے کا سر کچل کر دشمن کو نقصان پہنچایا تھا۔ دوران ایکشن تیمور رضا گھائل ہو گئے تھے۔ وہ سی ایم ایچ بازو کی ڈریسنگ کروانے آئے تھے۔ ان کا اتفاق کم ہی ہوتا تھا سی ایم ایچ چکر لگانے کا۔ رات کے پچھلے پہر جب سحر انگڑائی لے رہی تھی اس وقت ڈاکٹرز پوری موجود تھیں اور راؤنڈ پہ نکلی ہوئی تھیں۔ وہ کافی دیر سے بیٹھے تھے مگر ڈاکٹر زبیر کی آمد کا دور دور تک کوئی نشان

نہیں تھا۔ مارے جھلاہٹ کے ان کا برا حال تھا۔ مسیحا کی مسیحائی تک یہ بہتا خون نہیں میری جان ہی نہ لے لے۔"

"لیجیے جناب آپ کی مسیحا حاضر ہے۔" ان کی پشت سے ڈاکٹر زبور اندر داخل ہوئیں۔ تیمور رضا کی بڑبڑاہٹ پہ بے ساختہ مسکرا دیا گیا۔ تیمور رضا بے ساختہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ یونیفارم میں وہائٹ اوور آل پہنے نہایت حسین و جمیل ڈاکٹر زبور مسکراتی نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔

"زیادہ ٹوٹ پھوٹ تو نہیں ہوئی کیپٹن؟" بڑے ہی اعتماد سے وہ گفتگو کر رہی تھیں۔ پھر انہوں نے آستین اوپر کرنے کا اشارہ کیا۔ تیمور ڈریسنگ کر اکر نکلے تو ڈاکٹر زبور کی محبت میں گرفتار ہو چکے تھے۔ خود تیمور رضا کی پرسنالٹی غضب کی تھی مگر جب انہوں نے زبور کو پرپوز کیا تو انہوں نے دوسرے ہی سیکنڈ میں انکار کر دیا مگر تیمور پیچھے نہ ہٹے۔ زبور نے انہیں اس حرکت سے باز رکھنے کی مقدور بھر کوشش کی مگر وہ نہیں جانتی تھیں تیمور ضد اور سرکشی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ زبور کے انکار کو خاطر میں نہ لا کر انہوں نے دادا جی اور دادی جی کو ان کے گھر بھیج دیا۔ زبور کے گھر والوں نے ہاں کر دی۔ زبور کو اپنے ماں باپ کی بات ماننی ہی پڑی اور یوں تیمور رضا نے زبور کے تمام جملہ حقوق اپنے نام لکھوا لیے۔ چھٹیوں کے بعد دونوں نے ڈیوٹی جوائن کر لی۔ دادا جی' دادی جی کے ساتھ زبور نے کم ہی وقت گزارا تھا۔ چھٹیوں میں وہ تیمور کے ساتھ ان سے ملنے آئی تھیں۔ دادی جی کو زبور بہت پسند تھیں۔ ان میں شہری لڑکیوں جیسا نخرہ نہیں تھا۔ نہ ہی وہ ڈاکٹر نظر آتی تھیں۔ ان کا انداز البڑ دوشیزہ سے کم ہرگز نہیں تھا۔ سال بھر بعد ان کے ہاں جہانبان جونیر کی پیدائش ہوئی تھی گھر میں دیئے جلائے گئے۔ دادی جی نے غریبوں کو کھانا کپڑا تقسیم کیا۔ فضاؤں سے نہائی تھی۔ تیمور کی طرح جہانیاں جونیر بھی سب کی آنکھ کا تارا تھا۔ جب جونیر دو سال کا ہوا تو تیمور نے زبور کو طلاق دے دی۔ جس نے بھی سنا ہکا بکا رہ گیا۔ سب کے استفسار پر تیمور نے بتایا تھا۔ "زبور کا چال چلن ٹھیک نہیں تھا۔ اس کا کزن سرور آرمی میں لیفٹیننٹ ہے۔ جس سے زبور کے شادی سے پہلے تعلقات تھے مگر وہ شادی بنا رہتے رہے کہ زبور ان کی پسند تھیں لیکن جب انہوں نے زبور کو سرور کے ساتھ اپنے ہی گھر میں قابل اعتراض حلیے میں دیکھا تو اسی وقت طلاق دے دی۔"

دادی جی کو چپ لگ گئی تھی۔ انہوں نے زبور کے خلاف ایک لفظ نہیں کہا تھا۔ ان کا دل کسی صورت گوارہ نہیں کر رہا تھا کہ وہ زبور کو ایسے آئینے میں دیکھیں جس کی تصویر کشی تیمور کر رہے تھے۔ پھر انہوں نے بیٹے کو دیکھا تھا۔ اس بیٹے کو جسے سب سے زیادہ جانتی تھیں پھلے وہ ان سے دور رہتے تھے مگر وہ ان کی رگ رگ سے واقف تھیں۔ بات وہ نہیں تھی جو تیمور نے بتائی بلکہ شاید کچھ اور تھی لیکن کیا؟ دادی جی نے نظریں پھیر لیں۔ پھر سب نے بہت سمجھایا مگر تیمور کو شادی پر راضی نہ کر سکے۔ جہانیان جونیر دادی جی' تائی جی کے زیر سایہ پروان چڑھا تھا۔ گھر میں سب ٹھیک تھے مگر دونوں پھپھو اسے ایسی نظروں سے دیکھتی تھیں جیسے وہ غلاظت کا ڈھیر ہو۔ ہوش سنبھالتے پر پھپھیوں نے واشگاف الفاظ میں اس کی ماں کے کرتوت اسے گوش گزار کر دیئے تھے۔ ہر دم اس کی ماں کی کردار کشی کرتی تھیں۔ جب وہ ذرا اور بڑا ہوا تو تیمور کے آگے تن کر پوچھنے لگا۔

"ڈیڈ! کیا میری پیدائش پر بھی میری ماں نے اپنی حرکتوں سے توبہ نہیں کی؟ اس نے بیوی نہ سہی ماں بن کر بھی وفا کی کوشش نہیں کی؟" اس کا لہجہ ظاہر کر رہا تھا کہ وہ ضبط و غصے کی آخری حد تک پہنچ چکا ہے اور تیمور کے الفاظ سے وہ ماں کو بلندی یا پستی پر لا کھڑا کرے گا۔

"نہیں بیٹا میں نے اپنی سی پوری کوشش کی تھی کہ وہ تمہاری ہی خاطر سدھر جائے مگر وہ نہ مانی۔ میں نے تمہارا واسطہ دیا مگر تم اس کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتے تھے کیونکہ تم میری خواہش پر اس دنیا میں آئے ہو۔ میں نے پھر بھی نباہنے کی کوشش کی تھی تاکہ تم پر ماں کی دوری کا اثر نہ پڑے۔ طلاق اس کی آرزو بن گئی تھی سو میں نے دے دی۔ میں نے اسے آفر بھی کیا کہ وہ تمہیں اپنے ساتھ لے جائے کیوں کہ تم بہت چھوٹے تھے وہ ماں ہے مگر وہ تمہیں گود میں پھینک کر یہ کہتی ہوئی چلی گئی کہ "میرا تم سے اور تمہارے بچے سے کوئی تعلق نہیں۔ میں عمر بھر تم دونوں کی صورت نہیں دیکھنا چاہتی۔" تیمور کہہ رہے تھے اور جہانیان جونیر کی کنپٹیوں میں تم و غصہ ٹھوکریں مار رہا تھا۔ جسم میں لاوا

کے بجائے زہر دوڑنے لگا تھا۔ "ماں۔" جو بڑا اعلیٰ و ارفع رشتہ ہے وہ اس کے لیے گالی بن گیا تھا۔ ایک پاکیزہ رشتہ اس کے دل کا گھاؤ بن گیا تھا جو ہر پل رستا رہتا تھا۔ اس گھاؤ کی تکلیف اس سے اٹھتی ٹیسیں اسے خون کے آنسو رلاتی تھیں۔ پھپھیوں کے سلوک نے اسے ان سے بھی برگشتہ کر دیا۔ وہ جب بچوں کو اپنی ماؤں سے لپٹتے دیکھتا تو اس کا دل اس خیال سے ڈوب مرنے کو چاہتا کہ اس کی ماں کسی اور کی تنہائی دور کر رہی ہوگی۔ ماں کا رشتہ اس کے لیے ناسور بن گیا تھا۔ اسے بے انتہا نفرت تھی اپنی ماں سے جس نے وفا و محبت کی دھجیاں بکھیر دی تھیں۔ جس نے اک غیر شخص کے لیے شوہر اور بچے کو چھوڑ دیا تھا۔

نئی نسل جوان ہوئی تو بہت سے نئے اصول بنے۔ جن میں لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے تعلیم کو تیمور رضا نے ضروری بنا دیا۔ گاؤں میں دادی جی کے میکے کی شادی تھی سب ہی انوائیٹ تھے۔ جہانبان جونیر، اعتزاز، راہب اور سعدین ان دنوں نئے نئے کالج میں داخل ہوئے تھے اور سب کے ساتھ شادی میں شریک ہو گئے۔ کلثوم دادی کی دور کی نواسی لگتی تھی۔ اس نے جب جہانبان جونیر کو دیکھا تو دل ہار بیٹھی تھی تو وہ ان پڑھ اور گنوار لیکن بلا کی بے باک۔ مہندی کے دن اس نے جونیر کے سامنے جا کر فرانٹے سے اظہار محبت کر دیا۔ وہ تو ایک پل کو چپ کا چپ رہ گیا۔ پھر اسے غضب کا غصہ آیا تھا۔ اس نے کلثوم کو جھاڑ کر رکھ دیا تھا۔ کلثوم سے اپنی بے عزتی برداشت نہ ہوئی۔ اگلے ہی پل اس نے چیخ چیخ کر سب کو بلا لیا اور سب کے جمع ہو جانے پر رو رو کر کہا کہ جونیر نے اس سے زیادتی کی کوشش کی ہے۔ دادی جی سمیت سب ہی جانتے تھے کہ جونیر عورتوں سے کس طرح بدکتا ہے۔ سب اس کی پارسائی پر بول رہے تھے اور وہ ساکت رہ گیا تھا۔ اس کی نظر میں عورت کے لیے اچھے خیال کی رمق بھی رہ گئی تھی تو وہ کلثوم نے نکال دی تھی۔ وہ صنف نازک سے ایسے بدکتا تھا جیسے جانور پتھر سے۔ دن بہ دن وہ مزید برگشتہ ہوئے جا رہا تھا۔ اسے ہر عورت زبور اور کلثوم لگتیں۔ دادی جی نے اس کی برین واشنگ کی مقدور بھر کوشش کی تھی مگر ماں کی بے وفائی نے کوئی گنجائش نہ چھوڑی تھی۔ اس کے معصوم دل و دماغ سے جو بات چپک گئی تھی اس نے نفرت کا آتشدان بھڑکا ڈالا تھا اور اب جب گھر میں غزالی کی شادی دو ماہ بعد ہونے والی تھی تو گاؤں اور دور دراز کے رشتے داروں سے گھر بھر گیا تھا۔ خواتین و لڑکیوں کی بہتات اور پرائیویسی نہ دیکھ کر اس نے دادا جی سے ہاسٹل میں داخل ہونے کی بات کی تھی۔ دادا جی جانتے تھے کہ ایگزام کی تیاری تو صرف بہانہ ہے۔ اصل میں تو وہ عورتوں سے بھاگ رہا تھا مگر انہوں نے ہاسٹل میں رہنے کی اجازت نہ دی۔ انہوں نے اپنے پرانے گھر کی چابی دے دی جہاں وہ گاؤں چھوڑنے کے بعد شفٹ ہوئے تھے اور جو عرصہ سے بند تھا۔ دادا جی اگر اسے صحرا میں بھی رہنے کو کہتے تو عورتوں سے بچنے کو وہ اس پر بھی تیار ہو جاتا۔ جب اس نے رخت سفر باندھ لیا تو اس کے ہم پیالہ و ہم نوالہ ہم زاد کیسے اکیلے رہ سکتے تھے۔ سو آج کل وہ پرانے گھر میں رونق بکھیر رہے تھے اور عائشہ کی تنہائی کو خوشگوار کر رہے تھے۔

❁❁❁

صبح کے دس بجے جا کر کہیں اس کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ تینوں نے بے ساختہ اس کی صورت دیکھی تھی۔ جس سے عیاں تھا کہ رات کرب کا بادل خوب گرجا تھا۔ درد کی بارش زور و شور سے برسی تھی۔ آنکھوں کی سرخی بتا رہی تھی کہ نفرت کا طوفان بڑی تیزی سے ہستی پر چھا گیا تھا۔ رات کی بدمزگی کے باعث کوئی یونیورسٹی نہیں جا سکا۔ اب بھی وہ تینوں خاموشی سے پیڑ کے نیچے کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ وہ بھی صحن میں ان کے ساتھ براجمان ہو گیا۔

"چائے ملے گی یار؟" اس نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔ سعدین فوراً کچن کی سمت دوڑا۔ چائے تیار تھی۔ وہ سب کے لیے لے آیا۔ جونیر مگ اٹھا لیا۔ وہ تینوں اپنی اپنی جگہ خاموش جیسے شرمسار تھے۔

"اتنے خاموش کیوں ہو تم لوگ؟" اندر کے شور سے گھبرا کر اس نے استفسار کیا۔

"آئم سوری جونیر۔ رات میں نے کچھ زیادہ ہی کہہ ڈالا۔ میں شرمندگی محسوس کر رہا ہوں۔"

"راہب کیسی بات کرتے ہو یار۔ ہم بچپن سے ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔ ایک دوسرے کے دکھ سکھ سے آگاہ

ہیں۔ ہم کزنز ہیں مگر بیسٹ فرینڈز بھی تو ہیں۔ اسی باعث ہم میں سے کسی کو آج تک باہر دوستی کی ضرورت نہیں پڑی۔ بٹ اٹم آلسو سوری۔ رات میں بھی کچھ زیادہ ہی مَیں ہو گیا تھا۔" جونیر نے راہب کا ہاتھ تھام کر دبایا۔

"شکر الحمدللہ۔" سعدین اور ابتہاز نے با آواز بلند کہا تو سب مسکرا دیے۔

"اب لگ رہا ہے کہ یہ گھر ہے ورنہ صبح سے تو سنائے ہولا رہے تھے۔ موسم تو دیکھو کتنا اچھا ہو رہا ہے۔ بادل چھائے ہوئے ہیں ہلکی ہلکی پھوار بھی پڑ رہی ہے۔ لگتا ہے آج بادل بارش لا رہے ہیں۔"

"بارش کی خوشی میں آج میں تم سب کو اپنے ہاتھ کے پکوڑے کھلاؤں گا۔" تینوں نے شور مچا ڈالا تھا کہ ازلی کام چور جونیر خود آفر کر رہا تھا۔ ابھی پکوڑوں کے لیے بین نکالا جا رہا تھا جب بارش زوروں پر ہونے لگی۔ پکوڑے چھوڑ چھاڑ سب صحن میں نکل کر بارش میں بھیگنے لگے۔ ان تینوں نے سعدین کو اٹھا کر باسکٹ بال کی طرح ہوا میں اچھالا تھا۔ بے چارے کو اچھی خاصی چوٹ لگی تھی۔ سب اس سے چوٹ کی بابت استفسار کر رہے تھے۔ وہ زخمی گیا تھا اور وہ سب اس کے گرد بھنگڑا ڈالے لگا رہے تھے۔

آج عائشہ بھی یونیورسٹی نہیں جا سکی تھی۔ دیوار پار کی خاموشی اس کا دل دھڑکا رہی تھی مگر اب پھر سب ٹھیک ہو گیا تھا۔ کافی دیر بعد جونیر پکوڑوں پر طبع آزمائی کر رہا تھا۔

"یہ پکوڑوں کو کیا خسرہ ہو گیا ہے جو اسپرے ہو رہے ہیں؟" بیسن پتلا ہو جانے کے باعث پکوڑے اپنے شکل سے محروم ہو گئے تھے۔

"یہ آفیشل پکوڑے ہیں نا۔" جونیر نے ڈھٹائی سے کہا اور پھر کچھ ہی دیر بعد اک دوسرے پر آفیشل پکوڑے بارش کی طرح برسائے جا رہے تھے۔

یونیورسٹی سے کلاسز آف ہو گئی تھیں۔ آج کل وہ سب سنجیدگی سے ایگزام کی تیاری کر رہے تھے۔ ابھی تھوڑی دیر آرام کی غرض سے لیٹے ہی تھے جب بیل پر چونک گئے۔

"یہ اس وقت کون آ گیا؟ دیکھنا زی۔"

"پہلے دروازے کو دیکھ آدمی پھر آ کر تم سب کو دیکھتا ہوں۔" وہ دھمکاتا چلا گیا اور جب واپس آیا تو بڑا شریف نظر آ رہا تھا۔ ان سب کی نظر جب ابتہاز کے ساتھ کھڑے بندے پر پڑیں تو وہ سب جھٹکے سے سیدھے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"السلام علیکم۔" کورس میں سلام کیا گیا۔ "وعلیکم السلام کیسے ہو تم لوگ؟"

جونیر تیمور رضا کے گلے لگ گیا۔ "آپ کیوں آئے ڈیڈ؟ ڈاکٹر نے آپ کو چلنے پھرنے سے منع کیا ہے۔ ہمیں بلوا لیا ہوتا۔"

سعدین نے جلدی سے صحن میں پڑی ہیٹر فیٹن کی تیمور کرمل کے عہدے پر تھے جب سال بھر پہلے انہیں دل کا عارضہ لاحق ہو گیا اور وہ آج کل ریٹائرڈ تھے۔

"تم تو آ کر بھول ہی گئے بیٹا ڈیڈ کو کل کئی بار تمہارے موبائل پر ٹرائی بھی کیا مگر موبائل آف تھا۔ اسی لیے خود چلا آیا۔" تیمور نے جاں نثار نظروں سے بیٹے کو دیکھا جو ان کے گھٹنے تھامے قدموں تلے بیٹھا تھا۔ اپنا یہ اکلوتا لمبا چوڑا وجیہہ بیٹا انہیں بہت عزیز ہو گیا تھا۔ جہانیان جونیر کو بھی باپ سے عشق تھا۔ ماں کی بے وفائی کا سن کر تیمور رضا اس کی نظروں میں ہیرو بن گئے تھے۔ جنہوں نے بیوی سے وفا کا ثبوت اس طرح برقرار رکھا کہ دوسری شادی نہیں کی۔ اس کا بس چلتا تو باپ کو پلکوں پر بٹھا لیتا۔

"یہ گھر کی حالت کیا بنا رکھی ہے تم لوگوں نے۔ کھانے کے گندے برتن تک یہاں ہیں۔" تیمور اب اردگرد کا جائزہ لے رہے تھے۔ فوج میں ڈسپلن سے بھری زندگی گزاری تھی اور اب یہ بے ترتیبی انہیں ناگوار گزر رہی تھی۔

"اٹھا رہا ہوں چاچو۔" سعدین ہکلا کر برتن اکٹھے کرنے لگا۔ باقی دونوں بھی دم سادھے کھڑے تھے۔ تیمور چونکہ شروع ہی سے میس میں رہتے تھے اور کبھی کبھی ہی گھر آتے تھے تو بچپن سے فری نہ ہو سکے اور پھر ان کا انداز بھی ذرا ہٹ کر ہوتا تھا۔ غصے کے بھی تیز تھے اس لیے بچے اگر دادا جی یا دادو کی نہیں مانتے تو پھر سب کو تیمور کے نام کا ڈراوا کافی ہوتا تھا۔ سب ان سے ڈرتے بھی بہت تھے۔

تیمور کو روبرو دیکھ کر سب انسانیت کے جون میں نظر آ رہے تھے۔

"یہاں کوئی سعید صاحب رہتے تھے؟" تیمور کی نظریں

دیوار کے پار گھر کی طرف تھیں۔

"اب بھی یہیں ہیں بڑے اچھے لوگ ہیں پیر کو ہمیں چائے پر انوائیٹ کیا تھا انہوں نے۔ آپ کا پوچھ رہے تھے۔" راہب نے بردباری سے جواب دیا۔

"کم ہی ملے ہیں ہم۔ میں ٹو ڈیوٹی کے باعث کم ہی آتا تھا۔ مگر اچھی فرینڈ شپ تھی ہماری۔ میں جا رہا ہوں ملنے چلو گے تم لوگ؟" انہوں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"آپ ہو آیئے۔" اہتزاز کی مہمانت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ ان کی مت ماری گئی تھی جو وہ تیمور کے ساتھ جا کر بھیکے بلے بن کر بیٹھے اپنا بیج خراب کرتے۔

"جونیر! تم میرے ساتھ چلو اور میں واپس آؤں تب تک گھر کی حالت سنور جانی چاہیے میں آ کر اک اک چیز چیک کروں گا۔ ماں جی نے مجھے تم لوگوں کی سہولت کے لیے ملازم ساتھ لے جانے کو کہا تھا مگر مجھے ملازموں پر تکیہ کرنے والے لوگوں سے چڑ ہے اس لیے ساتھ نہ لایا۔"

دل پر غم کا پہاڑ کرتے محسوس کرنے والوں نے مرتے کیا نہ کرتے کہ مصداق شد و مد سے سر ہلایا۔ جونیر نے بے ساختہ مسکراہٹ لب دبا کر روکی اور سر جھکا دیا۔ باوں نخواستہ تیمور کے پیچھے چل رہا تھا۔ جب کہ پیچھے سے سب نے اسے گھونسے اور مجھاڑو دکھائی تھی۔ بے چاروں کو صفائی جو کرنی تھی۔

بیل بجانے پر عائشہ نے دروازہ کھولا تھا۔

"السلام علیکم۔" حسب عادت اس نے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام سعید صاحب تشریف رکھتے ہیں؟" وہ استفسار کر رہے تھے۔ عائشہ کی جگنوؤں بھری نظریں پیچھے موجود جونیر پر پڑیں تو اس نے بنا کسی استفسار کے انہیں اندر آنے کی دعوت دی۔

"تشریف لائیے۔" انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا کر وہ بابا کو اطلاع دینے چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد ڈرائنگ روم سے خوشگوار باتوں کی آوازیں باہر آنے لگیں۔ عائشہ کو باتوں ہی سے خبر ہوئی کہ وہ جونیر کے والد محترم ہیں۔ چائے پر تکلف ریفرشمنٹ کے ساتھ سلیقے سے پیش کر کے وہ بھی وہیں بیٹھ گئی۔ تیمور نے اس سے بھی بڑی اپنائیت سے گفتگو کی تھی۔ ان کی آنکھوں میں پسندیدگی کے رنگ گہرے تھے۔

جونیر پہلے ہی کی طرح لاتعلق بیٹھا تھا۔

"کہنے اللہ کرے تجھے موت نہ آئے اور دیکھنا جب تو مرے گا تو اٹھ جائے گا۔" یہ سعدین کی آواز تھی۔ وہ راہب کو اس کی موت کے متعلق پیش گوئی کر رہا تھا۔ ڈرائنگ روم میں ایک دم سے سناٹا چھا گیا۔ امی، بابا تو ان کی آواز کے عادی ہو گئے تھے مگر تیمور حیرت زدہ بیٹھے تھے۔ اسی دم اہتزاز کی آواز آئی۔

"ہائے یہ چاچو نے کیا کیا؟ اپنے ہونہار ازلی کام چور سپوت کو ساتھ لے گئے۔ یار وہ کوئی مجھے بتلاؤ کہ میں پہلے جعدار کے فرائض انجام دوں یا بھنگی بن کر باتھ روم کی صفائی کروں؟ اے اللہ تو دیکھ رہا ہے نا! ہمارے ساتھ کتنی ناانصافی ہو رہی ہے۔ تو کچھ ایسا کر کہ جونیر کا بچہ وہاں جو بھی کھائے پیے اسے ہضم نہ ہو۔"

جونیر نے بے ساختہ پہلو بدلا تھا۔ اپنے پاشڈ ٹیلر کو دیکھتے عائشہ کے لبوں پر محظوظ کن مسکراہٹ دیکھ کر جہانبان جونیر کو خفت کے ساتھ احساس ہوا کہ وہ اتنا روز اول سے ان کی گفتگو سنتی رہی ہے۔ بولتے وقت تو اسے خود احساس نہیں ہوتا تھا مگر دیوار پار سے آتی آواز اسے کسی قدر شرمسار کر گئی۔

"جونیر کیا تم لوگ اس قدر تیز بولتے ہو؟" تیمور استفسار کر رہے تھے اور اسی وقت مارو ٹیٹو کی آواز کے ساتھ یقیناً کسی ایک کی دھنائی ہو رہی تھی بے چارا مجرم بچاؤ بچاؤ کے نعرے بلند کر رہا تھا۔ وہ انہیں دل میں گالیاں دینے لگا۔ "بچے ہیں ابھی۔" بابا نے انہیں دوسری باتوں میں لگا لیا۔ چائے کے بعد بھی وہ کافی دیر بیٹھے رہے۔

اس دن پہلی بار سب نے اپنی آواز کو قابو میں کرنے کی پوری کوشش کی تھی۔ تیمور کے چلے جانے کے بعد جونیر ان تینوں سے کہہ رہا تھا۔

"کمینو تم لوگ آہستہ نہیں بول سکتے تھے؟ تم لوگوں کی ساری آوازیں ڈرائنگ روم تک آ رہی تھیں۔"

"ہائے نہیں۔" یہ اہتزاز تھا اگرچہ وہ آواز دبا رہے تھے مگر وہی مثل کہ چور چوری سے جاتا ہے ہیرا پھیری سے نہیں۔ سو یہ باتیں بھی عائشہ نے بہ غور سنی تھیں۔

اس سے اگلے روز جونیر اور سعدین باہر سے آئے

سعدین مسلسل ہنس رہا تھا۔ اپنے بیڈ روم میں موجود عائشہ کھڑکی کے مزید قریب ہوگئی۔ سعدین سارا قصہ ان دونوں کو گوش گزار کر رہا تھا۔ سعدین نے قصہ کچھ یوں شروع کیا۔

"ہم دونوں آرہے تھے۔ راستے میں وہ جونیئر پر پہلا مکان ہے وہاں دروازے پر سامان کا ڈھیر پڑا تھا۔ دروازے پر الماری پھنسی ہوئی تھی۔ اندر موجود صاحب نے آواز لگائی کہ "بھائی ذرا مدد کروا دیجیے۔" میں تو ہلا نہیں مگر جونیئر صاحب کود پڑے یہ کہتے ہوئے کہ برا وقت ہم پر بھی گزر چکا ہے۔ خیر کھڑا دیکھتا رہا۔ باہر سے جونیئر اور اندر سے ان صاحب نے کافی کوشش کی مگر الماری اپنی جگہ پھنسی رہی۔ کافی دیر بعد وہ صاحب باہر نکلے اور انہوں نے اپنے سر پر ہاتھ مار کر کہا۔

"یار یہ تو باہر ہی نہیں نکل رہی۔" اس پر ہمارے جونیئر جینئس نے معصومیت کے سارے ریکارڈ تابڑ توڑ توڑ کر کہا۔

"کیا اسے باہر نکالنا تھا؟ میں تو سمجھ رہا تھا اندر کرنا ہے۔" چاروں کے قہقہے میں عائشہ کی ہنسی بھی بے ساختہ تھی۔ مسخرے پن کی بھی ان کے ہاں کوئی حد نہیں۔ وہ محظوظ ہوتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ آئے دن ان کے کھانے جل جاتے تھے اور سب چیخ چیخ کر پکار مچاتے تھے۔ اس دن راہب کھچڑی پکا رہا تھا۔ آم کے پیچر پر کیریاں خاصی بڑی بڑی لگی ہوئی تھیں۔ ان کا ارادہ کھچڑی کے ساتھ کیری کی چٹنی کھانے کا تھا۔ چٹنی کا رنگ کوئی لینے کے موڈ میں نہیں تھا۔ کیریوں کے حصول کے لیے سب نے جونیئر کو پیڑ پر چڑھنے کو کہا اور وہ ماہر جمناسٹک کی طرح چڑھ بھی گیا۔ کیری کے ہاتھ کھڑکی کھول کر عائشہ اپنے بیڈ پر بیٹھی فائنل ایگزام کی تیاری کر رہی تھی۔ تبھی اس کی نظر پیڑ پر چڑھے جہانبان جونیئر سے ٹپ گئیں۔ مسٹر ڈیشنگ میں بلیک شرٹ کی آستین کہنیوں تک فولڈ کیے وہ کیریاں توڑ توڑ کر نیچے موجود ان تینوں کو مار رہا تھا۔ ایک کیری سعدین کی آنکھ پر لگی تو اس نے دوسری کیری سے جونیئر کا نشانہ لیا مگر وہ پھرتی سے دوسری ڈال پکڑ کر اس کا نشانہ خطا کر گیا۔ "کیا ہے یہ شخص؟ اس دن اس کا نفرت بھرا لہجہ بھولا نہیں اور اب جب ہنس رہا ہے، مسکرا رہا ہے تو لگ رہا ہے اس سے زیادہ معصوم اس سے زیادہ پیارا شخص کوئی دوسرا نہیں ہے۔ یہ نرم گرم تاثر جیسے پھوار جیسا لہجہ کتنا دلفریب ظاہر کر رہا ہے اسے۔" وہ اپنی ہی سوچوں میں خلاں اس پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔ نظروں کی تپش پر نادانستہ طور پر جونیئر کی نگاہیں کھڑکی سے ہوتی عائشہ سے مل گئی تھیں۔ بنا پلکیں جھپکے وہ یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔ نجانے کیسی دیوانگی تھی۔ کیسا سحر تھا اس کی آنکھوں میں کہ جونیئر جاتے ہوئے بھی اپنی نگاہ نہ چھڑا سکا۔ دونوں ہی ایک ٹک ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے مہر لب نیچے وہ تینوں شور کر رہے تھے مگر جیسے وہ ماحول سے کٹ گئے تھے اور گرد کا ماحول جیسے اپنا حسن کھو چکا تھا۔ ان کی دنیا دو نگاہوں تک محدود ہو گئی تھی۔ لب خاموش تھے مگر نگاہوں ہی نگاہوں میں جیسے تند و تیز مکالمے ادا کیے جا رہے تھے۔ انجان و آشنا کی تکرار چل رہی تھی۔ دونوں نے جیسے پلکیں نہ جھپکنے کی شرط باندھ لی تھی۔ "میں کیوں ہار مانوں یہ کیوں نہیں۔" جونیئر اپنے اندر دم خم رکھتا تھا۔ فاصلہ کچھ بہت کم تھا وہ جس ڈال پر کھڑا تھا وہ کھڑکی سے بہت نزدیک تھی۔ دونوں ہی ایک دوسرے کو با آسانی دیکھ رہے تھے۔

"جونیئر کیا اوپر سے ڈائریکٹ عالم بالا کو سدھار گئے؟" استہزا نے اس کے نظر نہ آنے پر استفسار کیا مگر وہ لب سیئے عائشہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے جما تک رہا تھا۔

عائشہ کی نگاہوں میں محبت بس رہی تھی تو جونیئر کی نگاہوں میں گریز کا قبضہ تھا۔ اس کی نگاہوں میں جاہت و الفت کا پیام تھا تو جونیئر کی نگاہیں نا آشنا بن بیٹھی تھیں۔ دونوں ہی اپنے اپنے مورچوں پر ثابت قدمی سے ڈٹے ہوئے تھے۔ آنکھ کی پتلیوں میں پانی کی چادر تن گئی تھی مگر دونوں ہی نے جیسے جنون کا روپ دھار لیا تھا۔ دونوں میں سے کوئی بھی ہارنے کو تیار نہیں تھا۔ نہ جانے کس جذبے پر تنے بیٹھے تھے دونوں یا تو نظریں نہیں یا نظارہ نہیں والا تھا ان کا معاملہ۔

"سعدین آؤ تو جا کر دیکھ ذرا یہ جونیئر کہاں اٹک گیا۔" راہب کی بات پہ اس سے پہلے سعدین عمل کرتا۔ ڈال کے چرچرانے کی آواز آئی تھی۔ جونیئر نے جس ڈال کو پکڑ رکھا تھا وہ کمزور تھی اور اس نے مزید اس کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا تھا۔ ڈال ٹوٹنے لگی تو جونیئر کا توازن ڈگمگایا۔ وہ گرنے

لگا تھا جب اس نے پھرتی سے دوسری ڈال کو تھام لیا مگر وہ بھی کمزور ثابت ہوئی۔ ''سنبھل کر'' عائشہ کھڑکی تھام کر نیچے دیکھتے ہوئے بے ساختہ کہنے سے خود کو باز نہ رکھ سکی۔ تب تک جونیر سنبھل چکا تھا۔ اس نے ایک فکرمند چہرے کو دیکھا اور نیچے اترنے لگا۔ جب کہ وہ تینوں بھی سر اٹھائے کھڑکی میں موجود عائشہ کو معنی خیز نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

''سمجھ میں آیا یہ کہاں اٹکا ہوا تھا؟'' سعدین ہولے سے کہنے سے باز نہ آیا۔ جونیر کو سنا کرا پنی شامت بلانی تھی۔ عائشہ اپنی بے ساختہ حرکت پر خفیف ہوئی تھی۔ اس پر سے تینوں کی نظریں۔

❁❁❁

پھر سب کے ایگزامز شروع ہو گئے تو انہیں چیئر چھاڑ کا موقع کم ملنے لگا۔ عائشہ بھی سمجھداری سے پیر زدے رہی تھی۔ جس دن اس کا لاسٹ پیپر تھا اسی دن سے دوسرے دن سعدین کے ماموں زہرا بیٹے کی شادی کا کارڈ لے کر انہیں انوائیٹ کرنے چلی آئیں۔ امی اور وہ بیٹے دنوں کو یاد کر رہی تھیں۔ ان چاروں کی آمد نے کب کے بچھڑے ہوؤں کو پھر سے ملنے کے لیے پلیٹ فارم مہیا کر دیا تھا۔ سعدین تھوڑی دیر بیٹھ کر چلا گیا تھا۔ امی بیٹھی باتیں کر رہی تھیں اور عائشہ لنچ کی تیاری کر رہی تھی۔ ان کے اصرار پر زہرا نے لنچ بھی کیا تھا۔

''نگہت اور زبور کیسی ہیں؟ زبور نے ابھی تک سی ایم ایچ جوائن کر رکھا ہے یا چھوڑ دیا؟'' امی ان کی دیورانیوں کی بابت استفسار کر رہی تھیں۔

''نگہت تو ٹھیک ہے۔ اس کے ماشاء اللہ تین بیٹے ہیں حارث، احد اور سعدین کے بعد ایک بیٹی ہے ماریہ۔ میرے تین بیٹے ہیں فراسی سب میں بڑا ہے جس کی شادی کر رہی ہوں اس کے بعد راہب اور اہتزاز ہے جس سے تم مل چکی ہو۔ دو بیٹیاں بھی اللہ نے دی ہیں ثانو اور ہریا نام ہیں ان کے۔ جب کہ زبور کا ایک ہی بیٹا ہے جہانبان جونیر۔'' سب کے بچوں کے متعلق تفصیل سے گوش گزار کرتے وقت میں زہرا کی آواز آہستہ ہو گئی۔ امی زبور کی بابت استفسار کر رہی تھیں۔ زہرہ نے انہیں بھی سب کچھ بتا دیا۔ جو باتیں خاندان بھر میں گردش کرتی تھیں امی کو بھی زبور کی کردار کشی کے الفاظ پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ زبور بیاہ کر اسی گھر میں آئی تھیں۔ جہاں آج کل چاروں کا بسیرا تھا۔ چند بار امی کی سرسری مگر بھرپور ملاقات ہوئی تھی زبور سے۔ چونکہ وہ فوتگی کے باعث کم ہی آئی تھیں۔ آخر میں زہرا کا لہجہ متاسفانہ ہو گیا۔

''ماں جی اور ہم سب نے جونیر سے اس کی ماں کا ماضی چھپانے کی اپنی سی کوشش کی مگر ہماری نگاہوں سدرہ اور فریدہ نے بھی لحاظ نہ کیا۔ رہی سہی کسر تیمور نے پوری کر دی۔ اس نے شروع سے ہی اس کے معصوم ذہن میں ہر بات بٹھا دی۔ نتیجتاً آج وہ اپنی ماں کا نام بھی سننا پسند نہیں کرتا۔ وہ ان کی ساری عورتوں سے اسے چڑ ہے۔ یہاں تک کہ کبھی کبھی مجھ سے اور نگہت سے بھی پرہیز کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ دیس اک واحد ماں جی ہیں جن سے فری ہے۔ تیمور کی اس حرکت نے اسے ساری عورتوں سے متنفر کر دیا ہے۔ بہت برا کیا ہے تیمور نے۔''

''ہاں یہ بات تو میں نے بھی محسوس کی ہے۔'' امی بھی بولنے سے باز نہ رہ سکیں۔ اب انہیں جونیر پر ترس آ رہا تھا۔ اک معصوم بچہ لگ رہا تھا وہ انہیں۔ جس سے اس کی معصومیت چھین لی گئی تھی۔ نہ جانے اس میں قصور کس کا تھا۔ زبور کا؟ تیمور کا؟ یا خود جونیر کا؟ امی کی گفتگو پہ غور کرتی عائشہ کی نگاہوں سے سارے پردے سرک گئے۔ حالات کے ڈسے اور محروم شخص کے لیے اس نے اپنے دل میں پہلے سے کہیں زیادہ محبت کا چشمہ ابلتا محسوس کیا۔

ان چاروں کے پیپرز بھی ختم ہو گئے تھے۔ گھر میں شادی کی۔ ڈھیروں کام کرنے کو پڑے تھے۔ دادا جی نے بھی رات فون کیا تھا تاکہ انہیں واپسی کے لیے رخت سفر باندھنا پڑا۔ عائشہ نے ان کے جانے کی خبر سنی تو دل تھام لیا۔ وہ تو بھولی بیٹھی تھی۔ پچھی بھلے نہیں بھی پر ڈال لے لوٹ کر اپنے گھونسلوں پر ہی جاتا ہے۔ وہ دن کے مہمان کو اس نے دل میں جگہ دے دی تھی اور اب وہ رخصت ہو رہے تھے تو وہ بوکھلا گئی۔ ان کے درمیان کوئی وعدہ وعید نہیں ہوئے تھے بلکہ ان دو ہستیوں کی رفاقت میں بھی دونوں نے ایک دوسرے کو مخاطب نہیں کیا تھا۔ پھر بھی کچھ نہیں کہا تھا۔ علاوہ ان آنکھوں کے ٹکرانے کے اس کی محبت میں کوئی

حسین جملہ کوئی خوب صورت فقرہ کوئی دلنواز بات۔ دل کو گدگدا دینے والی شرارت۔ کچھ بھی تو نہیں تھا۔ مگر عائشہ کا دل اس جذاتی چرور ہا تھا۔ وقت رخصت وہ سب ملنے آئے تھے۔ جونیر سر جھکائے صحن میں کھڑا تھا۔ جسے وہ تینوں زبردستی لائے تھے۔

"آنٹی یہ آپ لوگوں کی لڑنے کئی بار سوچا تھا کچھ پکا کر بھیجیں لیکن ہمارا پکایا ہوا کھانے کے لائق نہیں ہوتا تھا۔ اسی لیے آپ کو امتحان میں ڈالنا ہمیں گوارا نہ ہوا۔" سعدین کی بات پر امی مسکرا دیں۔

"کوئی بات نہیں بیٹا۔"

"کافی تنگ کیا ہم نے آپ لوگوں کو۔"

"بالکل نہیں بلکہ میں مس کروں گی آپ لوگوں کو۔"

امی کے سپکپاتے لفظوں پر اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا پھر نظر پھیر لی۔

"آپ لوگ شادی میں ضرور آیئے گا ہم انتظار کریں گے۔" راہب نے آگے بڑھ کر امی کے آگے سر جھکا دیا۔ امی نے تینوں کے سروں پر ہاتھ پھیر دیا اور جب جونیر کے سر پر ہاتھ نہیں پھیرا تو اس نے حیرانی سے امی کی صورت دیکھی۔

"خوش رہو۔" اس کے دیکھنے پر امی نے اپنائیت سے اسے دعا دی۔ جانتے بوجھتے اس کے قریب جا کر اسے اذیت دینا انہیں پسند نہ آیا۔ اس کی آنکھوں کی نمی ظاہر کر رہی تھی کہ وہ ممنون ہوا ہے ان کی اس حرکت پر۔

"آتے جاتے رہنا۔" امی انہیں دروازے تک چھوڑنے گئی تھیں۔ بائیک پر بیٹھ کر جونیر نے یونہی سر اوپر اٹھایا تو وہ چھت پر کھڑی اسے ہی بہ غور دیکھ رہی تھی۔ کیسی خاموش التجا تھی نگاہوں میں کہ جونیر کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اس کا دل ضرور پسیج جاتا مگر اس نے نظر بھر کر بائیک کو کک لگائی اور راہب کی بائیک سے پہلے یہ جا وہ جا۔ عائشہ کے رخساروں پر آنسو چمکنے لگے تھے۔

عائشہ کے خوابوں خیالوں کے طائر میں جہاں جان جونیر رچ بس گیا تھا۔ جانتی تھی کہ وہ اس راہ کا راہی نہیں ہے مگر پھر بھی وہ اس کے حصول کی چاہ میں دوڑے چلی جا رہی تھی۔ دیوار کے اس پار ایک بار پھر جانے خاموشی چھا گئی تھی مگر ان کی شرارتیں یاد کر کے اب بھی عائشہ کے لب مسکرا دیتے تھے۔ ان کی ساری باتیں سارے مکالمے اس کے اندر اتر گئے تھے۔ نہیں شعور کی سطح پر لا کر وہ خود ہی مسکرا دیتی تھی۔

دو شادی میں جانے کی تیاری کر رہی تھی۔ مایوں مہندی میں امی اور اس کا جانے کا ارادہ تھا۔ باوا نے بارات ولیمہ کی ہامی بھر لی تھی کہ ان کے اصرار سے بلاتے پر نہ جاتے تو بڑی بداخلاقی کا ثبوت دیتے۔ باوا انہیں بڑے سے سفید بنگلے کے آگے ڈراپ کر گئے تھے۔ بنگلہ باہر سے ہی بڑا شاندار نقشہ پیش کر رہا تھا۔ اس کے ماتھے پر "نعمت والا" درج تھا۔ بنگلے کو حسین نام دینے والے کو اس نے غائبانہ خراج تحسین پیش کیا۔ بڑے کھلے دروازے سے دونوں اندر داخل ہو گئیں۔ اندر بھی زبردست لائٹنگ کا انتظام بنگلے کی خوب صورتی کو چار چاند لگا رہا تھا۔

"ماشاء اللہ اتنے بڑے گھر کے لڑکے ہیں مگر غرور نام کو نہیں ہے ان میں۔" امی بھی رشک کی کیفیت سے لبریز تھیں۔ مایوں اور مہندی کی رسم اکٹھی کی جا رہی تھی۔ مہمانوں کا جم غفیر نظر آ رہا تھا۔ گھر والوں کی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ اور امی سائیڈ پر کھڑی ہو گئی۔

"عارث ممی کو بولو دادی جی انہیں بلا رہی ہیں۔ غزالی کو رسم کے لیے باہر لایا جا رہا ہے۔" راہب نے اچانک آ کر ایک بندے سے کہا تو وہ اندر کی طرف بڑھ گیا۔

"آنٹی آپ نے ناں السلام علیکم۔" راہب کی نظر جونہی پڑی خوش دلی سے آگے بڑھا۔

"وعلیکم السلام۔" کیسی ہو رفعت۔ بہت خوشی ہوئی تمہارے آنے کی آؤ اندر چلو۔" اسی اثناء میں زہرا بھی ادھر آ نکلیں۔ گرمجوشی سے امی کو گلے لگا کر انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور امی کو لے کر آگے بڑھ گئیں۔ وہ کھڑی رہ گئی تو راہب نے پوچھا۔

"کیسی ہو عائشہ؟" اس کی نظریں بڑی بے قراری سے کسی کو ڈھونڈ رہی تھیں۔

"ٹھیک ہوں۔" اس نے ذرا مغرور انداز میں مسکرا کر کہا تھا۔ اس کے انداز پر راہب مسکرا دیا۔

"کسی کو ڈھونڈ رہی ہو؟" وہ یکدم سٹپٹائی۔

"راہب بائیک کی چابی تمہارے پاس ہے؟ احد کو

منہائی کے لیے جانا ہے۔" گفت میں جونیر کی طرف دیکھتے ہی بولتا آیا تھا۔ اس کی نظر ابھی عائشہ پر نہیں پڑی تھی۔ قریب آنے پر پڑی تو اس کے ٹھٹکتے قدموں اور عائشہ کی آنکھوں کی بڑھتی چمک کو راہب نے لب دبا کر ضبط کیا۔

"کیا کہہ رہے تھے تم؟"

"چابی۔" اس نے جیسے بہ مشکل کہا۔ پہلی غیر ارادی نظر پڑنے کے بعد اس نے دوسری نگاہ نہ ڈالی۔ عائشہ اس وقت بلیو شرٹ بلیو ٹراؤزر دوپٹے کے اسٹائلش سوٹ میں میک اپ کیے یقیناً دیکھنے والے کے ہوش اڑا رہی تھی۔

"وہ تم نے احد کو دے دیا۔"

"او کے۔" وہ پلٹنے لگا۔

"جونیر! آنٹی اندر جا چکی ہیں' تم عائشہ کو اندر چھوڑ آؤ۔ اسے پتا نہیں ہے رسم کہاں ہو رہی ہے۔" راہب فوراً کھٹک گیا تھا تاکہ وہ انکار نہ کر سکے۔ خاموش کھڑی عائشہ کو اس نے چلنے کا اشارہ کیا اور راہب کو دل میں گالیوں سے نوازنے لگا۔ اس کے سنگ قدم اٹھاتے عائشہ نے ترچھی نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔ مایوں کے عام ڈریس میں اس نے شلوار سوٹ کے بجائے بلیک جینز اور بلیک شرٹ پہن رکھی تھی۔ اگلے ہاتھ کی انگلیوں کو باری باری انگوٹھے سے دبا رہا تھا۔ اس کی حرکت اضطراب کو ظاہر کر رہی تھی۔

"آپ کے ہاں مہمانوں سے سلام دعا کا رواج نہیں ہے؟" اس نے خود ہی پہل کی تاکہ جھجک تو دور ہو۔

"السلام علیکم۔" اس نے خاصے جلے بھنے لہجے میں جتاتے ہوئے سلام کیا۔ "وعلیکم السلام جیتے رہیے۔" عائشہ نے محظوظ ہوتے ہوئے مسکرا کر جواب دیا تو اس کے لب بھنچ گئے۔

"کیا کر رہے ہو آج کل؟" اس نے جواب نہیں دیا مگر عائشہ نے ہمت نہیں ہاری۔

"آپ لوگوں کا گھر بہت خوب صورت ہے۔ ایسٹھیٹک کلر اسکیم' فرنیچر' ماربل بہت ہٹ کر ہے۔"

"آپ یہاں سے سیدھے جائیے آگے سیڑھیاں آئیں گی۔ سیڑھیاں طے کر کے دائیں سائیڈ مڑ جائیے گا۔ آگے جانے والی سیڑھیاں آپ کو چھت پر پہنچا دیں گی۔ رسم کا انتظام رکھا گیا ہے۔" جملہ مکمل کیا اور کسی سمت مڑ گیا۔

عائشہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔

"مسٹر جونیر ہم بھی دیکھیں گے آپ کے گریڈ کی انتہا۔ بھاگ سکتے ہو میرے اندر پنپتی محبت سے تو بھاگ کر دکھاؤ۔" وہ اس کے بتائے گئے راستوں کی سمت چل پڑی اس یقین کے ساتھ کہ ایک دن وہ بھی محبت کی راہوں میں اس کے سنگ قدم رکھے گا جس کی وہ ہم سفر تھی۔

مایوں کی رسم پر لطف رہی۔ پھر مہندی آئی تو مزید رنگ بھر گئے۔ ایک دوسرے کے چہروں پر ہلدی' مہندی سے نقش و نگار بناتے جا رہے تھے۔ گفت نے عائشہ کا تعارف بھی لڑکیوں سے کروا دیا تھا اور اسے چند سیکنڈ لگے تھے ان سے دوستی کرنے میں۔ ٹالو' سویرا' ماری اور ان کے خاندان کی دیگر لڑکیوں کے ساتھ وہ خوب انجوائے کر رہی تھی جب لڑکی والوں کی طرف سے آئے لڑکوں نے ہنگڑا ڈالا۔ اب باری لڑکے والوں کی تھی۔ اسٹیج پر راہب' انتشار' سعدین' حارث' احد کے ساتھ جب اس نے جونیر کو بھی دیکھا تو سب کی طرح اسے بھی حیرت ہوئی۔

"یہ جونیر ہنگڑا ڈالنے کو کیسے تیار ہو گیا؟ یہ تو بڑا بد کتا ہے اس قسم کے زنانہ فنکشن سے؟" ماری' سویرا سے سرگوشی کر رہی تھی۔

"غزالی بھائی نے اصرار کیا تھا اس لیے۔" سویرا نے اطمینان سے جواب دیا۔ عائشہ کا انہماک مزید بڑھ گیا۔ وہ سب بلیک جینز بلیک شرٹ میں رنگ برنگے دوپٹے ڈالے پوزیشن سنبھال رہے تھے۔ "اچھا چوئس ہے۔" اس نے خود سے کہا اور بھرپور نظروں سے گلے میں پڑے ریڈ دوپٹہ کو تنقیدی نظروں سے دیکھتے جونیر کو دیکھا۔

"سعدین کمینے' خبردار جو تو نے غلطیاں کیں ورنہ میں تجھے نیچے پھینک دوں گا سب دل کھول کر ہمارے اسٹیپ پر تالیاں بجائیں گے۔"

"او کے لیکن لڑکیوں کی طرف پھینکنا۔" احد کی سرگوشی سعدین نے دور شوق سے خوشی کا اظہار کیا تھا۔ عائشہ بے ساختہ ہنس پڑی۔ جونیر نے چونک کر دیکھا تھا۔ لڑکیوں کے ساتھ وہ اسٹیج کے اوپر سائیڈ پر لگے چیئرز پر براجمان بے تحاشا ہنس رہی تھی۔ پھر میوزک اسٹارٹ ہوا اور وہ لوگ ہنگڑا ڈالنے لگے۔ ایک کے بعد دوسرے ڈوسرے کے بعد

تیسرے اور بالآخر چوتھے سوٹ پر نان اسٹاپ بھنگڑا ڈال کر وہ لڑکی والوں کو ہار ماننے پر مجبور کر گئے تھے۔ "ایکسیلنٹ پرفارمنس۔" عائشہ نے بے ساختہ تعریف کی۔ اس کی دیکھا دیکھی سب ہی انہیں سراہ رہے تھے۔ جواباً وہ سب اور جوش و خروش سے بھنگڑا ڈال کر جیت گئے تھے۔

❁❁❁

عائشہ انگلی دانتوں تلے دبائے سن بیٹھی تھی۔ اسے اپنی سماعت پر شبہ ہو رہا تھا کہ آیا اس نے جو سنا وہ درست ہے یا نہیں؟ اس کی بے یقینی عروج کو چھو رہی تھی۔ یقین آتا بھی کیسے جب دلی خواہش یوں ایک سیکنڈ میں پوری ہو جائے تو یقین کس ذی روح کو ہوتا ہے۔ دادا جی، دادی جی، زہرا باورچی، تیمور ان کے گھر آئے بیٹھے تھے۔ شادی کی تقریب کو ابھی مہینہ بھر ہی ہوا تھا۔ اچانک ان سب کی آمد سے حیران کر گئی تھی اور ان کا تقاضا اسے بے ہوش کر رہا تھا۔ وہ لوگ جونیر کے لیے اس کا رشتہ مانگنے آئے تھے۔ "کیا یہ جونیر کی خواہش ہے؟ وہ مان گیا؟ ایسے بہت سارے سوال اس کے ذہن میں چکرا رہے تھے۔

"عائشہ یہ لوگ ابھی جواب چاہ رہے ہیں۔ تم بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟" امی اس سے استفسار کر رہی تھیں۔ اس گھڑی وہ ڈیل مانگنڈ ہو گئی تھی۔ خواہش و دلی آرزو اس کے چند لفظوں کی محتاج تھی تو آنے والے دنوں کا احساس اسے سوچنے پر مجبور کر رہا تھا۔

"تم سوچ لو میں تھوڑی دیر بعد آتی ہوں۔" امی اسے تنہائی فراہم کر کے چلی گئی تھیں۔ بیٹی کے دلی جذبات سے آگاہ تھیں۔ وہ مسلسل سوچ رہی تھی۔ وہ کوئی بھی فیصلہ جذباتی ہو کر نہیں کرنا چاہتی تھی کہ خدانخواستہ کل کو پچھتانا پڑے۔ فون کی بیل بج اٹھی تھی۔ اس نے ناگواری سے فون سیٹ کو دیکھا پھر مہمانوں کے ویٹر سٹ ہونے کے خیال سے کال ریسیو کر لی۔

"ہیلو عائشہ سعد آن لائن۔"

"میں راہب بول رہا ہوں عائشہ۔"

"راہب۔" وہ ایکدم چونک گئی۔

"جی۔"

"ہمارے بڑے تمہیں جونیر کے لیے مانگنے آئے ہیں۔ میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ تم آنکھیں بند کر کے ہاں کر دو جونیر تمہارا ہے تو میں تمہیں بہن سے کم عزیز نہیں سمجھتا۔ میں بس یہی کہوں گا عائشہ اگر تم بھی ڈر کر پیچھے ہٹ گئیں تو شاید جونیر سدا ان ہی نفرتوں کے جنگل میں بھٹکتا رہے لیکن اگر محبت نفرت کے مقابل آ جائے تو نفرت کہاں تک محبت کی راہ روک سکتی ہے۔ تم اور تمہاری محبت اسے سنوار سکتی ہے عائشہ۔" راہب پر یقین لہجے میں بول رہا تھا۔ اس کے وہم کی تصدیق ہو گئی کہ وہ راضی نہیں ہے۔ باری باری سعدین اور اہتزاز نے بھی اسے یاد کرنے پر اصرار کیا تھا۔ پھر فون بند ہو گیا۔ یہی بات اسے سوچنے پر مجبور کر رہی تھی کہ اگر اس کی محبت جونیر کی نفرت سے ہار گئی تو کیا وہ سہہ پائے گی یہ سب؟ کیا اس کی محبت میں اتنا دم ہے کہ وہ اسے سنوار سکے؟ جب امی اس کا عندیہ لینے آئیں تو اس نے ہاں کر دی۔

"عائشہ تم جانتی ہو کہ....." امی نے اسے باز رکھنے کی سعی کی۔

"کسی نہ کسی کو تو اس آگ میں کودنا ہی ہے امی پھر میں ہی کیوں نہیں؟ دعا کیجیے گا کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب رہوں۔ محبت نفرت سے مغلوب نہ ہو۔" امی کو بہت اچھا لگا تھا۔ اس کا پرعزم چہرہ۔

❁❁❁

"یار آج بہت تھک گیا ہوں۔" وہ لان میں موجود ان تینوں کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

"کہاں تھے؟" راہب نے سمجھتے ہوئے استفسار کیا۔

"یونہی حارث کے ساتھ لانگ ڈرائیو پر۔" ملازم چائے لے آیا تھا۔ اس نے خود چائے بنا کر تینوں کو دی اور اپنا مگ اٹھا کر سپ لیا۔

"بڑی خاموشی ہے؟" اس نے ارد گرد نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔

"چاچی کو چھوڑ کر تمام بڑے عائشہ کے گھر گئے ہیں۔" اہتزاز نے ڈرتے ڈرتے بتایا۔ وہ ایکدم چونک گیا۔

"کس سلسلے میں؟"

"عائشہ کو تمہارے لیے مانگنے۔"

"پاگل تو نہیں ہو گئے ہو سعدین؟" وہ جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ چہرہ سرخ ہو گیا، رگیں تن گئیں ایک پل کو تینوں

کی طرف بڑھ گیا۔

"بے چاری عائشہ کیا ہوگا اس کا؟ میرا خیال ہے ہم نے غلطی کی ہے اسے فورس کر کے۔" اہتزاز کا متاسفانہ انداز انہوں نے خاموشی سے دیکھا۔

"سارا قصور چاچو کا ہے۔ انہیں جونیر کے ذہن میں زہر نہیں بھرنا چاہیے تھا۔" سعدین کے غصے کو راہب نے خاموشی سے دیکھا کہ اسے بھی خالی ریڈ اسپارکنگ دکھائی دے رہی تھی۔

"ڈیڈ جیسے آپ نہیں مجھے انفارم کرنا۔" ملازم کو آزاد کر کے وہ دھاڑتے اپنے کمرے کا دروازہ بند کر چکا تھا۔

"سر! جونیر صاحب نے کہا تھا آپ جیسے آئیں انہیں انفارم کروں۔ انہیں بتاؤں کہ آپ آ چکے ہیں؟" تیمور نے کوٹ اتار کر ابھی رکھا ہی تھا جب ملازم نے کہا۔

"نہیں اس سے ایک گھنٹے بعد ملوں گا۔ پہلے مجھے ایک کپ کافی لا دو۔ وہ آؤٹ شوگر کل بھی تم نے مجھے ڈال دیا تھا۔" ملازم سر ہلا کر جا چکا تھا۔ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے وہ راکنگ چیئر پر بیٹھ گئے۔ وہ سمجھ سکتے تھے کہ اس وقت جونیر کے اندر کیسا آتش فشاں پھٹ رہا ہوگا۔ کیسی کنڈیشن ہوگی اس کی۔ اسی لیے انہوں نے راہب لوگوں کو کہا تھا کہ اسے مطلع کریں تاکہ جب وہ ان سے بات کرے تو اپنی ہی جنگ سے نڈھال ہو کر اپنا دفاع نہ کر سکے۔ اب بھی انہوں نے ملازم کو یہی سوچ کر ایک گھنٹے بعد ملنے کا کہا تھا مگر وہ بھی انہی کا بیٹا تھا ایسی جیسا مائع رکھتا تھا۔ "ایک گھنٹے بعد۔" کا پیغام اس نے نظر انداز کر دیا تھا اور اب ان کے روبرو تھا۔

"آؤ جونیر بیٹھو۔" سکون ان کے ہر انداز سے عیاں تھا۔ اس نے اکھڑے لہجے میں استفسار کیا۔

"کیا یہ سچ ہے کہ آپ ابھی عائشہ کے گھر سے آ رہے ہیں؟"

"ہاں۔" انہوں نے اطمینان سے جواب دیا اور ایک نظر بیٹے کے تپتے چہرے کی طرف ڈالی۔ ایکدم انہیں اس پر ترس آنے لگا اور خود سے نفرت بڑھ گئی۔

"دادا جی! دادی جی! ٹائی ٹانیا! چاچو جانی! اگر کوئی بھی یہ حرکت کرتا تو مجھے حیرت نہیں ہوتی لیکن آپ خود میرا رشتہ لے کر گئے تھے۔ میں حیرت زدہ ہوں۔"

"اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟ ہر باپ کو بیٹے کی شادی کا ارمان ہوتا ہے۔ تمہارا میکینکل انجینئرنگ بھی مکمل ہو گیا۔ الحمدللہ فنانشلی بھی اسٹرونگ پوزیشن رکھتے ہو۔ ان فیوچر بزنس سنجھالو کے یا نئی فرم لانچ کر لیا تمہارے لیے تو کوئی قباحت نہیں ہے۔ ماشاءاللہ شادی کی عمر بھی ہو گئی ہے اس لیے میں عائشہ کے گھر چلا گیا کہ مجھے بہو کی کمی محسوس ہونے لگی تھی۔" ان کا انداز خود پسندانہ تھا۔

"لیکن شادی کے لیے میں قطعی تیار نہیں ہوں۔ میری طرف سے انکار ہے۔ اپنا فیصلہ سنا کر وہ چلنے لگا۔

"رک جاؤ جونیر۔ تم جانتے ہو کہ میرا اپنی پاس ہو چکا ہے تمہاری یہ حرکت میری جان بھی لے سکتی ہے۔" اس نے تڑپ کر باپ کی طرف دیکھا۔ وہ بڑی آس و التجا سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اس نے زندگی میں اگر کسی کو محبت سے چاہا تھا تو وہ تیمور تھے۔ اسے اپنے باپ سے شدید محبت تھی۔ اس کی نظر میں وہ ہیرو تھے۔ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے وہ ان کے دونوں ہاتھ تھام کر ان کے قدموں تلے بیٹھ گیا۔

"آپ مجھے شادی کو فورس کر رہے ہیں ڈیڈ۔ اتنا کچھ ہونے کے باوجود بھی۔"

"ہر عورت ایک جیسی نہیں ہوتی بیٹا۔ عورت زہر ہے تو تریاق بھی وہی ہے۔" تیمور نے بہت وقت سے جملہ مکمل کیا۔

"آپ مجھے شادی کے علاوہ جو کہیں گے میں کرنے کو تیار ہوں یہ کام مجھ سے نہیں ہوگا۔" وہ باپ کو منانا چاہتا تھا مگر تیمور نے بھی تہیہ کر رکھا تھا اسے راہِ راست پر لے کے چھوڑیں گے۔ ٹائی کا پھندا جونیر کے سینے پر بھاری پڑنے لگا تھا۔ ہر گزرتا دن انہیں کھوکھلا کرتا جا رہا تھا۔

"میری پہلی اور آخری خواہش تمہاری شادی ہے۔ بوڑھے باپ کی بات مان جاؤ بیٹے جو کچھ وقت کا مہمان ہے۔" تیمور کی بس پاؤں پکڑنے کی دیر تھی۔ وہ جوان بیٹے کے آگے گھٹنے ٹیک رہے تھے۔ جونیر میں عزیز باپ کو نامراد کرنے کی سکت نہیں تھی۔ اس نے ہاں کر دی۔

"جونیر! کاش کہ میں نے تمہیں نارمل انسان رہنے دیا

ہوتا۔ مجھے احساس ہو رہا ہے کہ میں نے تمہارے ساتھ کتنی ناانصافی کی ہے مگر صرف تمہارے ساتھ ہی تو نہیں۔ کوئی اور بھی تو ہے۔" ان کی نگاہوں میں ایک شبیہ لہرا گئی۔

❁❁❁

اپنے آنچل سے محبت کو باندھے عائشہ سعید نے جہانبان جونیر کے نام کی تختی اپنی پیشانی سے لگائی۔ شادی کی رسموں کو اس نے خوب انجوائے کیا تھا۔ چوری چوری اس نے جونیر کو بھی دیکھا تھا۔ جو دولہا بنا کسی ریاست کا شہزادہ لگ رہا تھا۔ خود اس پر جو نظر اٹھ رہی تھی' وہ پلک جھپکنا بھولے جا رہی تھی۔ منہ دکھائی کی رسم کے بعد گفٹ نے کمرہ خالی کرایا تھا اور اب وہ ٹھوڑی گھٹنوں پر رکھے جونیر کو سوچ رہی تھی۔ کیسا ہوگا اس کا پی ہیو؟ کیا کہے گا وہ؟ دراز ہے پر دستک دے کر کوئی اندر آیا تھا' وہ ایکدم سے سمٹ گئی۔ بھی اس کے زرتار آنچل والے سر پر ایک ہاتھ رکھا گیا تھا۔ تیمور اس کے بیڈ پر بیٹھ گئے۔

"ایزی ہو کر بیٹھ جاؤ بیٹا میں تم سے کچھ کہنے آیا تھا۔" وہ استفہامیہ انداز میں انہیں دیکھ رہی تھی۔

"ہم باپ' بیٹے کے بیچ تم پل کی سی اہمیت اختیار کر چکی ہو' اس لیے میں تم سے کچھ نہیں چھپاؤں گا۔ اسے تم میری بدقسمتی کہہ لو کہ میں نے اپنے بیٹے کی زندگی میں زہر خود گھولا۔ میں چاہتا تو اس کی ماں کی زندگی اس سے چھپا سکتا تھا مگر خیر میرا بیٹا محبت کو ترسا ہوا ہے۔ بھلے وہ زبان سے نہ کہے مگر میں جانتا ہوں اندر سے وہ بہت محروم ہے۔ ماں سے نفرت کے باوجود اس کے اندر سے یہ قلق نہیں جاتا کہ اس کے حصے میں عام بچوں کی طرح ماں کی محبت کیوں نہ آئی؟ اگرچہ اس نے کبھی مجھ سے شکوہ نہیں کیا۔ گلہ نہیں کیا مگر میں نے اس کے ساتھ ناانصافی کی ہے مجھے خبر ہے۔ مجھے گمان بھی نہیں تھا کہ میں اس کی ماں کی بے وفائی کا بتاؤں گا تو وہ ساری عورتوں سے برگشتہ ہو جائے گا۔ میرا احساس گناہ کم نہیں ہو رہا تھا۔ لیکن جب اس دن تمہارے گھر میں' میں نے تمہیں دیکھا تو مجھے لگا کہ تمہاری محبت جونیر کو بدل سکتی ہے۔ اے عورت ذات سے پیار کرنے پر مجبور کر سکتی ہے۔ شروع میں تمہیں مشکلات کا سامنا بھی ہوگا لیکن مجھے امید ہے کہ اسے تمہاری محبت جیت لے گی۔ گرچہ اس نے میری زندگی کے لیے شادی کی ہے اسے اپنا بنانا اب تمہارا کام ہے۔ میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں عائشہ میرے جونیر کے دل سے نفرت کا احساس بھی مٹا دو۔" ان کا چہرہ بھیگ گیا تھا۔ عائشہ نے ان کے دونوں ہاتھ اپنے حنائی ہاتھوں میں تھام لیے۔

"میں اپنی سی پوری کوشش کروں گی۔" اس نے ہولے سے کہا۔

"جیتی رہو۔" تیمور رضا اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

ان کی باتیں سن کر عائشہ اور پرعزم ہو گئی تھی۔ وہ تو سرے سے سب پلان کر رہی تھی۔ اس کی منتظر بیٹھی تھی لیکن جب فجر کی اذان ہونے لگی تو اس نے چونک کر گھڑی کی اور دیکھا۔ "تو کیا صبح ہو گئی؟" خیالوں کی یورش میں اسے احساس تک نہ ہوا کہ بیٹھے بیٹھے صبح ہو گئی تھی اور وہ کمرے میں نہیں آیا تھا۔ گرچہ اسے احساس تھا کہ اس کے ساتھ کوئی نارمل دلہن والا معاملہ نہیں ہوگا مگر وہ سرے سے اسے اس لائق نہیں سمجھے گا کہ اس کی ایک جھلک ہی دیکھ لے۔ بی حسین روپ سروپ یہ بکلا' گجر آبند یا جو اس کے لیے سجایا گیا تھا۔ ان کا اتنا حق نہیں تھا کہ انہیں ایک نگاہ دان کر جاتا؟ بارگاہ حسن میں خراج حسین پیش کیا جاتا؟ اس نے خود سے کمزور نہ پڑنے کا عہد کیا تھا۔ مگر پہلے ہی پیر حلے پر اپنی ذات کو نظر انداز کر دینے پر جیسے وہ بکھرنے لگی تھی۔ مگر اسے محبت کی جیت مقصود تھی۔ خود کو سنبھال کر وہ کہنے اتارنے لگی۔ شاور لے کر اس نے کاہی گرین کلر کا لانگ سوٹ زیب تن کیا اور باوضو ہو کر نماز فجر کو اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے دو رکعت فرض کی نیت ہی باندھی تھی جب ہونیر دروازہ جھٹکے سے کھول کر اندر داخل ہوا۔ سرسری نظر سے اس نے اس کی حالت رکوع کے انداز کو دیکھا پھر وارڈ روب کی طرف بڑھ گیا۔ وارڈ روب میں اپنے ساتھ زنانہ ملبوسات دیکھ کر اسے کوفت کا احساس ہوا۔ وہائٹ کرتا پاجامہ لے وہ باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔ باتھ روم کی حالت ظاہر کر رہی تھی کہ کچھ دیر پہلے اسے استعمال میں لایا گیا تھا۔ جملا کر اس نے ٹاول اسٹینڈ پر کپڑوں کو رکھا۔ ساری رات گیسٹ روم کے صوفے پر بیٹھے بیٹھے جسم اکڑ گیا تھا۔ شاور لیا تو

مہربان ہونے لگی۔ ٹاول سے بالوں کو رگڑتا واپس آیا تو وہ ابھی تک نماز ادا کر رہی تھی۔ اس کے وجود کو سرے سے نظر انداز کیے اس نے بالوں میں برش کیا اور بیڈ کی طرف بڑھ گیا۔ سفید بیڈ شیٹ گلاب کی پتیوں سے بوجھل ہو رہی تھی۔ اس نے جھٹکے سے بیڈ شیٹ کو کھینچ کر نیچے پھینک دیا۔ عائشہ جائے نماز لپیٹ کر اس کی کارستانی دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے بیڈ کے گرد موجود گلاب اور موتیا کی لڑیوں کو نوچنا شروع کر دیا۔ جولڑکوں نے بہت محنت سے لگایا تھا۔ لڑیوں کے نوچے جانے کے باعث بیڈ اداس اداس لگنے لگا۔ عائشہ چپ چاپ رہی۔ اس وقت وہ غصے میں تھا۔ اس کا نہ چھیڑنا ہی بہتر تھا لڑیوں کا گولہ بنا کر روم کی سائیڈ پر اچھال کر وہ بیڈ پر دراز ہو گیا اور چادر سر تک تان لی۔ عائشہ نے لڑیوں کو اٹھا کر چادر میں لپیٹ کر رکھ دیا۔ کارپٹ سے پتیوں کو چن کر فارغ ہوئی تو صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس سے چند فٹ کی دوری پر وہ سو رہا تھا مگر کتنا دور لگ رہا تھا۔ بحر بری طرح بیدار ہو چکی تھی۔ صوفے پر بیٹھے بیٹھے ہی اس کی آنکھ جھپکی تھی جب دروازے کی دستک سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے بیڈ کی طرف دیکھا۔ وہ سابقہ انداز میں سو رہا تھا۔ آنچل سر پر ڈالتے وہ اٹھی پھر اس نے دروازہ کھول دیا۔

"دلہن صبح بخیر۔" ماریہ، سویرا، ثانیہ اور غزالی کی نئی نویلی دلہن نوشین اندر داخل ہوئیں۔ اس نے مسکرا کر انہیں آنے کا اشارہ کیا۔

"آپ تو محترم ابھی تک سو رہے ہیں؟" نوشین نے معنی خیز نگاہوں سے اسے دیکھا۔ کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی وہ جھینپ گئی تو نوشین نے قہقہہ لگایا۔

"رونمائی میں کیا ملا؟" نوشین اشتیاق سے سوال کر رہی تھی۔ تینوں ہی بیڈ کی حالت دیکھ کر سب سمجھ گئی تھیں اور پھر نوشین سے بہ خوبی واقف تھیں جسے کہ نوشین کا دھیان بیڈ کی طرف نہیں گیا تھا اور پھر نیند ہونے کے باعث وہ واقف نہ تھی۔ رونمائی کا سن کر عائشہ کے اندر ایک درد نے انگڑائی لی۔ "اس نے تو مجھے اس قابل ہی نہ جانا کہ ایک نظر کی جھلک ہی دے دیتا" مگر اس نے مسکرا کہا۔

"بتانے لائق نہیں ہے۔" نوشین زور سے ہنسی تھی۔ سب نے اسے شکر گزار نظروں سے دیکھا تھا۔

"میں ڈسٹرب ہو رہا ہوں۔ آپ لوگ ہنسنے کا شوق برائے مہربانی کہیں اور جا کر پورا کریں گی نہیں تو اس گھر میں کروں گی۔" چادر سے سر نکال کر جونیر نے درشت لہجے میں کہا تھا۔ نوشین حیران رہ گئی تھی۔ تینوں نظریں چرانے لگیں۔

ولیمے کی تقریب بھی گزر رہی گئی۔ رواج کے مطابق عائشہ میکے جا رہی تھی۔ ان کے ہاں داماد بھی ساتھ جاتا تھا مگر جونیر نے بے مروتی سے کہہ دیا تھا۔ "میں کسی ایسے رسم و رواج کی پابندی کا موڈ نہیں رکھتا۔" ناچار عائشہ کو اکیلے جانا پڑا۔ پھر جب چوتھی میں عائشہ کو لانے کے لیے تیمور نے اس سے ساتھ چلنے کو کہا تو اس نے بہت چڑ کے کہا۔

"ڈیڈ! آپ سب تو جا ہی رہے ہیں میرے نہ جانے سے کیا فرق پڑ جائے گا۔" مگر تیمور کے اصرار پر جانا پڑا۔ امی نے داماد کی آؤ بھگت میں کوئی کسر نہ چھوڑی مگر وہ یوں بیٹھا تھا جیسے کسی اور کے سسرال میں بیٹھا ہو۔ واپسی میں امی نے سر پر ہاتھ پھیرنا چاہا تو وہ سوری کہتا آگے سے نکل گیا۔ جہاں تیمور نے مارے غرور کے آنکھیں موند لی تھیں۔ وہیں عائشہ ہر ایک سے نظر چرانے پر مجبور تھی۔

کپڑے چینج کر کے وہ لیٹنے کی غرض سے بستر کی طرف بڑھی تو اس کی خشک آواز گونجی۔

"میں صوفے پر سونے کا عادی نہیں ہوں۔" جتایا گیا تھا کہ میں بیڈ پر سوؤں گا تم صوفے پر مرو۔ عائشہ کچھ کہنے والی تھی جب دروازے پر دستک ہوئی۔ "یس۔" اس کی آواز پر ملازم اندر داخل ہو چکا تھا۔

"آپ کو تیمور صاحب اسٹڈی میں بلا رہے ہیں۔" ملازم نے جونیر کو پیغام دیا۔

"تم چلو آ رہا ہوں۔" ملازم کے نکلنے کے بعد وہ بھی کمرے سے نکل گیا۔

"آپ نے باہر جانا ہے۔" وہ ان کے روبرو تھا۔

"ہاں یہ تمہارے اور عائشہ کے ٹکٹ ہیں کل شام کی فلائٹ ہے تم لوگوں کی۔ ہوٹل میں کمرے ریزرو کروا دیے ہیں۔ پہلے میں نے سوچا تھا ورلڈ ٹور کی ٹکٹ کنفرم کروا دوں لیکن باہر کے ممالک سے کہیں زیادہ حسین تو ہمارے شمالی علاقہ جات میں ہے۔ انشاء اللہ نیکسٹ ٹائم ورلڈ ٹور کا ٹکٹ

کنفرم کرادوں گا۔" وہ اتنے آرام سے اظہار خیال کر رہے تھے کہ جونیر ساکت رہ گیا۔

"ڈیڈ آپ مجھے بائل کردیں کے صرف آپ کے باعث میں نے ایک بلا پیچھے لگالی ہے۔ وہ میرا بیڈ روم باتھ روم وارڈ روب غرض کہ ہر چیز شیئر کرتی ہے۔ دلاسا نے صبح مجھے بہت ڈانٹا ہے ورنہ میں اس کا ٹرانسفر دوسرے کمرے میں کروادیتا۔ ناقابل برداشت لگتا ہے مجھے اس کا وجود اپنے بیڈ روم میں۔"

"ایزی جونیر۔ دوسرے کمرے کا تو تم خیال بھی دل سے نکال دو۔ وہ تمہاری بیوی ہے کوئی پرائی عورت نہیں جو دوسرے کمرے میں رہے گی۔ باقی رہی چیزیں شیئر کرنے کی بات تو وہ تمہاری نصف بہتر ہے۔ نصف بہتر کا مطلب تو پتا ہوگا تمہیں؟"

وہ اب سمجھنے باپ کی تقریر سن رہا تھا۔

"میری خوشی تمہیں عزیز ہے تو یہ تکیئے اٹھاؤ اور جانے کی تیاری کرو۔"

"آپ مجھے بلیک میل کر رہے ہیں ڈیڈ۔" وہ خود پر ضبط کر رہا تھا۔

"تمہیں لگ رہا ہوگا جب کہ میں ایک باپ کا فرض ادا کر رہا ہوں۔ جاؤ شاباش۔"

وہ کھولتے ہوئے اسٹڈی سے نکل گیا۔ "تم کیا جانو جونیر میرا ہر عمل کنارے کی طرف ہے۔" ان کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔ آج پھر کسی کی یاد نے دل کے رخسار پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

عائشہ صوفے پر براجمان سوچنے لگی کہ تیمور نے اسے کیوں بلایا؟ کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو اس نے سوچنا چھوڑ کر کارنر پر پڑی جونیر کی تصویر اٹھالی لب دبائے شرارت سے وہ مسکراتے ہوئے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔

جھٹکے سے دروازہ کھلا تھا۔ پھر دروازے پر لات مار کر اس نے دروازہ بند کردیا۔ فریم کو نادانستہ طور پر عائشہ نے اپنی پشت پر چھپالیا۔ وہ سخت غصے میں نظر آرہا تھا۔ اس نے خاموشی ہی میں عافیت جانی کہ پہلے تیل کی دھار دیکھنا چاہتی تھی۔ ہاتھ میں موجود چیزیں کاؤچ پر پھینک کر وہ چادر تان کے لیٹ گیا۔ اب تکیہ دونوں میں سے کسی نے براہ راست ایک دوسرے کو مخاطب نہیں کیا تھا۔ اب بھی کچھ بتانے کے بجائے وہ لیٹ گیا۔ عائشہ نے اٹھ کر دیکھا تو اس کے غصے کی وجہ اور تیمور کے بلاوے کا عنوان سمجھ میں آگیا۔ تیمور انہیں تنہائی فراہم کرکے ایک دوسرے کے قریب آنے کا موقع دے رہے تھے۔ عائشہ کے لب بے ساختہ مسکرا دیئے۔ ان چند دنوں میں جونیر جیسے اس نے اخلاقی و بے ذاریت کا کھیل دیکھا تھا۔ اب اس کی باری تھی۔ "دیکھتے ہیں جونیر صاحب کہاں تک بچ سکتے ہیں آپ۔" اس نے خاموش لبوں سے چادر میں چھپے اسے مخاطب کیا۔ اس کی تصویر کو آنکھوں سے چھوتے خود ہی مسکرادی۔

❁❁❁

ڈرائیور انہیں جناح ٹرمینل پہ ڈراپ کرکے جاچکا تھا۔ جونیر نے اس وقت بلو جینز پہ اسکائی بلیو شرٹ پہن رکھی تھی پرائی دیکھتے ہوئے ہر انداز اس کے ناخوش ہونے کا پتا دے رہا تھا۔ جب کہ بلو سوٹ میں عائشہ خوش تھی مگر اس نے فیس ایکسپریشن نہیں دیا کہ بحالت مجبوری جاری ہونے کا وہ اس کی خوشی محسوس بھی کرلیتا تو اسے اذیت دینے کو پروگرام ہی خراب کردیتا۔ ابھی عائشہ نے پلین کی چند سیٹ حیساں ہی طے کی تھیں۔ جب اس کا پاؤں مڑا اور وہ ڈگمگا کر اس کا بازو دبوچ گئی۔

"کیا حرکت ہے یہ؟" پسنجر زان کے آگے پیچھے دونوں طرف تھے تبھی اس نے غضب ناک لیکن دھیمی آواز میں کہا۔ ساتھ ہی بازو بھی چھڑانے کی کوشش کی مگر عائشہ نے چھوڑنے کے لیے تھوڑی نہ تھاما تھا۔

"پیر میں موچ آگئی ہے۔ مجھ سے چلا نہیں جارہا۔" ایک سیٹر کی طے کرکے عائشہ نے سخت لاچار انداز میں کہا۔

"کس نے مشورہ دیا تھا آپ کو چار منزلہ سینڈل پہننے کا؟" پوزیشن ایسی تھی کہ وہ اونچا بول کر اپنا تماشا نہیں بنانا چاہتا تھا۔

"مجھے کیا خبر تھی۔ موچ آجائے گی۔ آج کوئی [illegible] ہے چار منزلہ سینڈل۔" اس کے چہرے سے درد و تکلیف کے آثار نمایاں تھے۔ "پلیز تھوڑا سہارا دیجیے تو میں چلنے کی کوشش کرتی ہوں۔ سیٹ پر بیٹھ کر آیوڈیکس لگالوں گی میرے بیگ میں ہے آیوڈیکس۔" اس نے شولڈر [illegible]

نیک کی طرف اشارہ کیا۔ دروازے پر موجود ایئر ہوسٹس اب ان کی طرف متوجہ تھی اور مسکرا رہی تھی۔ شانے باندھے جونیر نے اپنا بازو پیش کر دیا کہ اس سے زیادہ وہ کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ عائشہ کے لیے یہ بھی بہت تھا۔ اس کے بازو پر سارا بوجھ ڈالتے ہوئے اس نے پیچھے سے ہاتھ ڈال کر اس کی کمر تھام لی وہ چلبلا کر رہ گیا۔

"اپنی پراہلم؟" ایئر ہوسٹس دریافت کرنے لگی۔ عائشہ نے شدومد کے ساتھ نفی میں سر ہلایا۔ ایئر ہوسٹس نے معمول کی کارروائی کے بعد انہیں اندر آنے کا اشارہ کیا۔ اپنی سیٹ پر بیٹھ کر عائشہ نے کن انکھیوں سے اس کا بگڑا چہرہ دیکھا اور رخ پھیر کر مسکرا دی۔ بیلٹ باندھنے کی یاد دہانی کرائی گئی تو جونیر نے سیٹ بیلٹ باندھ کر چہرے کے آگے میگزین تان لیا۔ اسے کافی دیر بیلٹ سے الجھتا محسوس کر چکا تھا مگر اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔

"سنئے یہ بیلٹ کیسے بندھے گی؟" اس نے میگزین کو ہاتھ سے ذرا پرے کر کے سوال کیا۔

"کیا زندگی میں پہلی بار پلین کا سفر کر رہی ہیں؟" وہ کڑے تیوروں سے استفسار کر رہا تھا۔

"آپ کو کیسے خبر ہوئی؟" اس کی معصومیت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ "بیلٹ کا تو کچھ کریں۔" اسے واپس میگزین میں گم دیکھ کر دہائی دی۔

"ابھی ایئر ہوسٹس آئے گی تو بندھوا لینا۔"

"میرا کیا ہے؟ میں تو آپ کی وجہ سے کہہ رہی تھی کیا کہے گی ایئر ہوسٹس اتنے ہینڈسم شخص کی بیوی کو بیلٹ باندھنا بھی نہیں آتا۔ کتنی شرمناک بات ہے نا؟" وہ اتنی معصوم بن کر پوچھ رہی تھی کہ جونیر کا دل اسے پلین سے اٹھا کر نیچے پھینک دینے کو چاہا۔ اپنی عزت کی تو وہ پھر زیادہ پروا کرتا تھا۔ لب بھینچ کر اس نے عائشہ کی سیٹ بیلٹ باندھ دی۔ پلین نے ٹیک آف کیا تو عائشہ نے اس کا بازو تھام لیا۔ جونیر نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ اسی لیے تو پکڑا ہے بازو مجھے ان سا شوق ہے۔" وہ ایک بار پھر بازو تھام گئی۔

کیسی نے انہیں مطلوبہ منزل کے آگے اتار دیا۔ اس کی تجدید میں وہ استقبالیہ کی طرف بڑھ گئی۔

"مسٹر اینڈ مسز جہانیان جونیر کے نام سے ایک کمرا ریزرو ہے سر۔" اس کے استفسار پر ریسپشنسٹ نے مہذب لہجے میں جواب دیا۔

"کیا ایک اور کمرا مل سکتا ہے ہمیں؟" جونیر کے استفسار پر عائشہ ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگی۔ ریسپشنسٹ نے بھی باری باری دونوں کو دیکھا۔ بھی مون ٹرپ اور دوسرا کمرا۔

"سر آپ کے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟"

"کیا ایک اور کمرا مل سکتا ہے؟" سوال کو نظر انداز کر کے اس نے لفظ چبا چبا کر ادا کیا۔ ریسپشنسٹ کو سمجھ آ گئی کہ اس کا سوال ناگوار گزرا ہے۔

"دیکھنا پڑے گا سر۔" وہ رجسٹر پر جھک گیا۔ ان کے ریزرویشن کے آگے نوٹ میں لکھا ہوا تھا۔ "اگر یہ دوسرا روم ڈیمانڈ کریں تو انہیں نہ دیا جائے۔" تیمور رضا۔ حقیقتاً جونیر کو اچھی طرح پہچانتے تھے۔ یہ ہوٹل ان کے دوست کا تھا اور جونیر اس حقیقت سے ناواقف تھا۔

"سوری سر۔ دوسرا روم نہیں مل سکتا۔" نوٹ پڑھنے کے بعد اس کی مت ماری گئی تھی جو وہ اسے دوسرا کمرا دیتا۔

"سیکنڈ فلور پر لیفٹ سائیڈ پر ہے آپ کا روم۔" جونیر نے چابی لے کر آگے قدم بڑھا دیئے کمرہ کافی کشادہ اور ہر سہولت سے مزین تھا۔ کمرے کے وسط میں ایک بیڈ تھا۔ جو سنگل اور ڈبل کے بیچ کی نسل کا تھا۔ جونیر کے ماتھے پر شکن پڑ گئی۔ سردی اتنی تھی کہ نیچے کارپٹ پہ سونے کا تصور بھی سوہان روح تھا۔ خود انہوں نے جو کپڑے پہن رکھے تھے وہ یدر کے لحاظ سے نامناسب تھے۔

جونیر نے گرم پانی سے شاور لیا تھا جب کہ اس نے منہ ہاتھ دھونے پر اکتفا کیا۔ آئینے کے آگے کھڑے وہ تولیے سے بھورے بالوں کو رگڑ رہا تھا۔ جب عائشہ کا عکس آئینے پر پڑا۔ شہابی پھریرے پر موجود پانی کی شفاف بوندیں رکیں لمحہ رکی تھیں۔ پھیلی آنکھیں کمرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ نگاہ کی کرب کا اسے احساس ہوا تو اس نے تحمل عارفانہ سے کام لیا۔ جونیر نے خود کو اس خرمستی پر لعنت ملامت کی۔ ویٹر دستک دے کر جائے لایا اور رکھ کر چلا گیا تھا۔

وہ ٹرالی اپنی طرف کھینچ چکی تھی۔ "شوگر کتنی؟" وہ یوں پوچھ رہی تھی جیسے بہت دوستانہ تعلقات تھے ان کے مابین۔

"مجھے آپ کے ہاتھ کی چائے نہیں پینی۔"

"او کے۔" وہ اپنا کپ لے کر بیٹھ گئی۔ جونیر نے اپنے لیے چائے نکالی۔ کمرے میں موجود فون نے بجنا شروع کر دیا تو وہ اٹھ کر فون سننے چلا گیا۔ ہوٹل کا منیجر وہی روایتی ڈائیلاگ بول رہا تھا۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتائے گا وغیرہ وغیرہ۔ اس سے جان چھڑا کر اس نے اپنے کپ میں شوگر ڈالی۔ اسپون ہلاتے ہوئے کی وی آن کر دیا۔ اس بات سے قطع نظر کہ عائشہ نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اس کے کپ میں بھر بھر کے دو چمچے شکر کے ڈال دیے تھے۔ اس نے سپ لیا تو اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔

"تم نے اس میں اور شوگر ملائی ہے؟" روم میں کوئی تیسرا بندہ تھا نہیں اس کا شک اسی کی طرف گیا۔ عائشہ اس کی عقل کو داد دیتے ہوئے کہنے لگی۔ "مجھے کسی پاگل کتے نے کاٹا ہے آپ نے خود ہی تو کہا تھا میرے ہاتھ کی چائے نہیں پینی۔"

وہ اب بھیجے دوسرا کپ تیار کرنے لگا۔

"سرو فرروم میں کریں گے یا باہر ہال میں؟" ویٹر چائے کے برتن لینے آیا تو مودب ہو کر پوچھنے لگا۔

"ہال میں۔" جونیر نے جواب دیا۔ بلیک سوٹ میں بلیک شال لپیٹے عائشہ ہال میں داخل ہوئی تو کئی نگاہوں نے اسے خوش آمدید کہا۔ "نیا کپل لگتا ہے۔ جوڑی بہت اچھی ہے۔ بی مون ٹرپ ہوگا۔" ہال میں موجود خاتون کی سرگوشی دونوں نے بغور سنی۔ ڈنر کر کے عائشہ تو واپس روم میں آ گئی جب کہ جونیر باہر چلا گیا تھا۔ سرد موسم میں گرم گرم بستر یقیناً بہت لطف دیتا ہے۔ عائشہ بلینکٹ میں گھس گئی۔ پھر پتہ نہیں کب اس کی آنکھ لگ گئی۔ ایک عجیب احساس سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ نیم اندھیرے کمرے میں آنکھیں پھاڑ کر ارد گرد کا جائزہ لے کر اپنے جاگنے کی وجہ ڈھونڈنے لگی۔ نظریں ٹائم پیس پر پڑیں تو احساس ہوا اس وقت رات کے دو بج رہے تھے۔ رات کے ساتھ ہی اسے جونیر کا خیال آیا۔ وہ کہاں تھا؟ آواز پھر آئی تھی۔ اس نے گردن موڑ کر باتھ روم سائیڈ دیکھا۔ جونیر کارپٹ پہ سکڑا۔ سمٹا لیٹا ہوا تھا۔ نیا بچھونا اوڑھے۔ "مائے گاڈ حد ہوتی ہے۔" اسے غصہ آیا مگر اگلے ہی پل ترس بھی محسوس ہوا۔ بلینکٹ پرے پھینک کر بستر سے نکلی تو ہیٹر کے باوجود سردی کی لہر نے اسے کپکپا دیا۔ کارپٹ پر پڑا وہ نجانے کب سے سردی سے لرز رہا تھا۔ قریب جا کر اس نے دو تین بار آواز دی مگر شاید وہ غنودگی میں تھا۔ اس نے دونوں ہتھیلیاں رگڑ کر اس کا شانہ ہلایا۔ اس عمل سے وہ جاگ گیا۔ اس کی نزدیکی کو اس نے حیرانی سے دیکھا تھا۔ "اف یہ پارہ آنکھیں تو لوٹ چکی ہیں مجھے اب تاپ دیہ کہاں سے لاؤں؟" کچی نیند سے بیدار گلابی پارہ آنکھیں اسے دیکھ رہی تھیں۔

"آپ اوپر جا کر سو جائیں۔" دوسری بار کہنے پر وہ خاموشی سے اٹھ کر بیڈ کی طرف بڑھ گیا۔ عائشہ کارپٹ پر لیٹ گئی۔ تھوڑی دیر بعد اسے جونیر کی آواز آئی۔

"سنو تم بھی آ کر بیڈ پر سو جاؤ۔ بیمار پڑ گئیں تو مجھے ہی بھگتنا پڑے گا۔" جملہ مکمل کر کے اس نے منہ آپ سے کمبل میں چھپا لیا۔ عائشہ کے لب مسکراہٹ سے منور ہو گئے۔ وہ کروٹ بدلے بیڈ کے آخری سرے پر سو رہا تھا۔ دوسرے سرے پر دراز عائشہ نے سوچا۔ "آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔" اور خود بھی کمبل میں منہ چھپا گئی۔

صبح بریک فاسٹ سے فارغ ہو کر وہ نکلا تو ڈنر کے وقت آیا جب کہ عائشہ سارا دن لبھ ہوتی رہی۔ اگلے روز جب وہ پھر نکل رہا تھا تو وہ اس کے آگے کھڑی ہو گئی۔

"کہاں اکیلے آپ مجھے کس کے سہارے چھوڑ جاتے ہیں؟ آپ تو چلے جاتے ہیں..... آپ کی غیر موجودگی میں اگر کچھ الٹا سیدھا ہو گیا تو میں کیا کروں گی؟ جب آپ میری حفاظت نہیں کر سکتے تو مجھے ساتھ لانے کی کیا ضرورت تھی وہیں چھوڑ آتے مجھے۔" اس کی تقریر کے جواب میں وہ ایک پل کو خاموش رہ گیا تھا۔ شاید بات سمجھ آ گئی تھی پھر کیا چاہا وہ سارا دن اس کے ساتھ ساتھ مختلف جگہوں پر پھرتی رہی۔ لنچ انہوں نے باہر ہی ریسٹورنٹ سے کر لیا تھا۔ شام گہری ہونے لگی تھی۔ جب وہ برف باری دیکھنے جا رہے تھے۔ ٹیکسی سے اتر کر وہ سفید روئی کے گالوں کو دیکھنے لگی تھی۔ اس نے شال اوڑھ رکھی تھی مگر سخت سردی کے آگے اس کی گرمی بھی ہار مان چکی تھی۔ ہاتھ آپس میں رگڑتے ہوئے بجتے دانت سے اس نے جونیر کو دیکھا۔ بلیک جینز اس نے پنک ہائی نیک پہن رکھی تھی۔ اس کے شعر

اس نے ایک نظر دیکھا اور ٹیکسی کی طرف بڑھ گیا۔ واپس آیا تو اس کے ہاتھوں میں بلیک جیکٹ تھی جو اس نے کچھ دیر پہلے اتاری تھی۔ عائشہ خوش ہو گئی کہ چلو اسے ایک جیتے جاگتے انسان کا احساس تو ہے۔ وہ خوش ہوتے سوچ رہی تھی کہ جب جونیر نے وہ جیکٹ خود پہن لی تو وہ بکا بکا رہ گئی۔ اس نے اب تک جتنی اسٹوری پڑھی تھی ان سب میں یہی لکھا تھا کہ ہیرو واپنی جیکٹ ہیروئن کو دے دیتا تھا۔ اس نے شرٹ کے ہیرو کو دیکھا اور پھر اس کا دل چاہا ان ہیروئنوں کی خوش قسمتی اور اپنی بدقسمتی پر چھوٹ چھوٹ کے رو دے۔

ایک ہفتہ وہ لوگ مختلف جگہوں پر گھومتے رہے۔ پھر اس نے آرڈر دیا۔ "کل ہم جا رہے ہیں' سامان پیک کر لینا۔"

"اتنی جلدی؟ ڈیڈ نے تو ایک ماہ بعد واپسی کو کہا تھا؟"

"تو پھر ڈیڈ کے ساتھ ہی تمہیں آنا چاہیے تھا۔"

"مائنڈ یور لینگویج۔" عائشہ کا چہرہ تپ اٹھا۔ خود اسے اپنے لفظوں کا احساس ہوا تو چپ رہ گیا۔ وہ ہوٹل کے ڈیوٹی پر کھڑے آدمی سے مخاطب تھا جب عائشہ نے لجاجت سے کہا۔

"سر آپ کی مسز بہت خوب صورت ہیں اگر آپ کی پرمیشن ہو تو ہم ان کی ایک تصویر بنانا چاہتے ہیں۔ ہمارے جرنل میں ایک آرٹ گیلری بھی ہے جہاں خوب صورت چہروں کی تصاویر آویزاں ہیں اگر آپ۔"

"آپ کو فرمائش کرنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا مسز عائشہ میری وائف ہیں' کوئی ماڈل نہیں جو ہر ایرے غیرے کے لیے ان کی تصویر پیش کی جائے۔"

"سر آپ تو ہائٹ کر گئے۔" منیجر ایکسکیوز کرنے لگا۔ عائشہ کو بھی اس کی بات بری لگی تھی اور جونیر کا جواب سن کر تو وہ سر سے پیروں تک خون خون ہو گیا۔ نفرت سے قطع نظر وہ اس بات سے آگاہ تھا کہ وہ اس کی بیوی اس کی ذمے داری ہے۔ پاگل اور بات تھی۔

"اتنی جلدی چلے آئے؟" ان کی واپسی پر سب نے ہی حیرانی کا اظہار کیا۔

"شکر کرو ایک ہفتے بعد آیا ہے۔ مجھے تو ڈر تھا کہیں سے دن ہی نہ لوٹ آئے۔" متعدین کو اس نے بے نقط سنوایا تھا۔

شادی کو کئی مہینے گزر گئے تھے مگر جونیر ہر دن دور ہوتا نظر آ رہا تھا۔ تنہائی کے اس دکھ میں عائشہ نے قریب آنے کی اپنی سی پوری کوشش کی تھی مگر ناکام رہی۔ اسے احساس تھا کہ جونیر کے قول و فعل میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ وہ ان مردوں میں سے بھی نہیں تھا جو قرب کی آنچ سے پگھل جاتے ہیں۔ وہ اسی کے بیڈ روم میں رہتی تھی مگر جیسے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ اس کی خوب صورتی' خوش گفتاری کوئی تو اسے نہ پگھلا سکے۔ عائشہ سوائے صبر کے کیا کر سکتی تھی۔

وہ چاروں نئی فرم لانچ کرنے کا پلان بنا رہے تھے۔ بڑوں کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ زمین خریدی جا چکی تھی اور کام زور و شور سے جاری تھا۔ جس کے باعث وہ بہت مصروف رہتا تھا۔ گھر میں عائشہ کے سب سے اچھے تعلقات تھے۔ دادا جی اور دادی جی کے پاس اسے زیادہ اچھا لگتا تھا۔ بک جز بیشن بھی اسے چنی دیتی تھی لیکن جس کے پرواہ ہونی چاہیے تھی وہ اسے گھر لا کر بھول گیا تھا۔ مگر عائشہ کو اپنا آپ خود منوانا تھا۔ وہ اس کا ہر کام آگے بڑھ کر خود کرتی تھی اور وہ ہر بار اسے سخت سست کہتا تھا مگر وہ نہایت قدمی سے ڈٹی ہوئی تھی۔ سر شام تیار ہو کر اس کی راہ تکتی تھی۔ اس کے کھانے پینے کا دھیان رکھتی تھی۔ آج بھی وہ تیار اس کی منتظر تھی۔ وہ گھر میں داخل ہوا تو اس کے ساتھ ولفریب پرفیوم کی خوش بو نے ماحول کو اپنے حصار میں لے لیا۔ حسب معمول اسے نظر انداز کر کے وہ کوٹ اتارنے لگا۔ عائشہ نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے کوٹ لینا چاہا۔ اس کا ہاتھ جھٹک سے پرے کر کے وہ غضب ناک لہجے میں گویا ہوا۔

"تم چاہتی کیا ہو؟ ذرا کھل کر بتا دو مجھے؟" ڈیڈ کے کہنے پر میں نے تم سے شادی کی۔ میں تمہارے وجود کو برداشت کرتا ہوں۔ تم سے یا تمہاری جنس سے نفرت کرتا نہیں چھوڑ دیا۔ میں نے روز اول ہی تمہیں جتا دیا تھا کہ تمہاری حیثیت میری نظروں میں کیا ہے مگر تم مسلسل میرے قریب آنے کی کوشش کر رہی ہو۔ چین کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے تمہارے پیر نہیں موچ آ جاتی ہے اور اترتے وقت موچ تم

ہو جاتی ہے۔ تمہیں سیٹ بیلٹ باندھنا نہیں آتا مگر تم کھول بڑی آسانی سے لیتی ہو۔ پلین ٹیک آف کرے تو تمہیں ڈر لگتا ہے لینڈ کرے تو تمہارا ڈر ختم ہو جاتا ہے اور اب میری شرٹ پریس کرنا چائے کافی بنا کر لانا تم آخر ثابت کیا کرنا چاہتی ہو؟ اگر تم یہ سوچ رہی ہو میں تمہارے قرب کی آنچ سے پگھل جاؤں گا تمہارے تھکنڈوں سے زیر ہو جاؤں گا تو تم احمقوں کی جنت میں رہتی ہو۔ فرسٹ اینڈ لاسٹ وارننگ ہے تمہیں میری عائشہ سمجھ رہی ہو؟"

"عائشہ دم بخود اسے دیکھتی رہ گئی۔ کتنی بڑی بات کہہ کر گزر گیا تھا وہ۔ وہ بیوی کے فرائض انجام دینے کی کوشش کر رہی تھی اور اس نے کتنے گھٹیا انداز میں دیکھا تھا اس کی کوشش کو۔ عائشہ سعید کو اس سے محبت تھی مگر اپنی عزت نفس اسے زیادہ عزیز تھی۔ تبھی اس نے ایک سیکنڈ میں یہاں سے جانے کی ٹھان لی۔ وہ خاموشی سے اسے رخت سفر باندھتے دیکھ رہا تھا۔ جب وہ جانے کو تیار ہو گئی تو اس کے روبرو جا کھڑی ہوئی۔

"مسٹر جہانیان جونیئر عورت کا وجود وفا کے خمیر سے اٹھا ہے۔ عورت کا دوسرا نام وفا ہے۔ اگر عورت وفا نہیں کرتی یا میری طرح راہ بدل لیتی ہے تو وہ بے وفا نہیں ہو جاتی۔ اس کی ذات پر ضرور کوئی بہت بڑا داغ لگایا جاتا ہے۔ جیسے ابھی آپ نے میرے لیے ایک گھٹیا لفظ کا استعمال کر کے میری شان بڑھائی۔ عورت سب کچھ برداشت کر سکتی ہے مگر یوں خود کو ذلیل نہیں کروا سکتی ہے۔ جو لوگ محبت کی قدر نہیں کرتے محبت انہیں بہت خوار کرتی ہے۔ ترس آ رہا ہے مجھے آپ پر کیا ہو گا آپ کا؟ چلتی ہوں۔" اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر وہ پلٹ گئی۔ وہ لب بھینچے اس کی پشت سے نظر پھیر گیا۔

"عائشہ کہاں جا رہی ہو؟" کاریڈور سے گزرتے تیمور کی نظر اس کے ساز و سامان پر پڑی تو بوکھلا گئے۔

"اپنے باپ کے گھر جا رہی ہوں۔ اللہ حافظ۔" وہ سرعت سے نکل گئی۔ تیمور کی سمجھ میں اس کے الفاظ نہ آ سکے اور جب آئے تو وہ گیٹ والا کی وہلیز پار کر چکی تھی۔ وہ تیزی سے جونیئر کے کمرے کی طرف بڑھے جھٹکے سے انہوں نے دروازہ کھولا۔

"جونیئر وہ جا رہی ہے۔ اسے روک لو۔" عجب سراسیمگی عیاں تھی ان کے لہجے سے۔ عجب دیوانوں جیسا انداز تھا۔

"کون جا رہی ہے؟"

"وہ عائشہ وہ جا رہی ہے گھر چھوڑ کر ابھی زیادہ دور نہیں گئی ہو گی۔ جاؤ اسے روک لو جونیئر۔" ان کا لہجہ کپکپا رہا تھا۔

"میں ایسا کچھ نہیں کروں گا سوری۔" اس کے انداز تیمور بچوں کی طرح رونے لگے۔ دیوانوں کی طرح چلانے لگے تو وہ ڈر گیا۔ کہیں انہیں اٹیک نہ ہو جائے۔

"ڈیڈ میں لے آؤں گا اسے۔ کون سا دور ہے گھر سے سن رہے ہیں نا میں لے آؤں گا اسے۔" باپ کی ایسی حالت اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ ان کی تسلی دینے کے لیے اس نے جھوٹ کا سہارا لیا۔

"لے آؤ گے نا اسے؟" انہوں نے جیسے یقین دہانی چاہی۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ڈیڈ میں نے آپ کی ایسی حالت کبھی نہیں دیکھی ہوا کیا تھا آخر آپ کو؟" وہ باپ کا ہاتھ سہلا رہا تھا۔

"23 سال سے میری یہی حالت ہے جونیئر۔ اسے چھوڑ کر ایک پل سکون سے بسر نہ کر سکا۔"

"کسے چھوڑ کر؟" اس نے بات کاٹی۔

"تمہاری ماں کو۔" وہ جیسے خواب میں بول رہے تھے اس کے لب بھینچ گئے۔

"ایک بے وفا عورت کے لیے آپ نے خود کو برباد کر لیا جس نے نہ بچے کی پروا کی نہ ہی شوہر کی۔"

"مت بولو جونیئر مت بولو گناہ ہو گا۔" وہ ایک بار پھر رو پڑے۔ پھر انہوں نے آنسو پونچھتے ہوئے اس کے بدگمان چہرے کو غور سے دیکھا۔

"آج میں تمہیں ایک سچائی سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں جونیئر پہلے بھی کئی بار ضمیر کے ملامت کرنے پر میں نے اس سچائی سے پردہ اٹھانا چاہا مگر آج اگر میں نے اس سچائی سے پردہ نہیں اٹھایا تو میری جگ آگر تم بھی بھی پچھتاوے کی آگ میں جلتے رہو گے۔ میری بات غور سے سننا جونیئر کیونکہ آج میں جا رہا ہوں۔" باپ کے غیر معمولی انداز پر وہ حیران ہوا تھا۔

دشمن کے حملے پر جب میرا بازو گھائل ہوا تو میں سی ایم ایچ گیا تھا وہیں میں نے زیور کو دیکھا تھا اور جب اس نے ڈرائیونگ کروا کر نکالا تو میں اس کی محبت میں ڈوب چکا تھا۔ میں نے تیسری ملاقات میں اسے پرپوز کردیا تھا۔ وہ ویسے ہی میری شکل دیکھتی رہی تھی۔ پھر اس نے کہا تھا وہ مجھ سے شادی نہیں کرسکتی وہ اپنے کزن لیفٹیننٹ سرور سے محبت کرتی ہے مگر میں پیچھے نہیں ہٹا۔ میں روز اسے کنونس کرنے کو موجود ہوتا تھا مگر اس کا ایک ہی جواب تھا کہ وہ اور سرور ایک دوسرے کو چاہتے ہیں مگر مجھے اس کا جنون ہوگیا تھا۔ میں نے بابا اور اماں کو اس کے گھر رشتہ لے کر بھیج دیا۔ اس کے اماں ابا نے مجھ میں اور میرے ترقی کے آثار دیکھ کر انہوں نے ہاں کردیا کہ میرے مقابل سرور جونیئر تھا اور ان دونوں کی منگنی میں ٹینشن چل رہی تھی۔ ہاں ہونے کے بعد زیور نے مجھ سے ہاتھ جوڑ کر کہا تھا کہ میں پیچھے ہٹ جاؤں۔ اس نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ وہ مجھے محبت نہیں دے سکے گی مگر میں نے اس کی ایک نہ چلنے دی اور اسے بیاہ لایا۔ وہ میرے گھر آ تو گئی مگر مجھے کبھی قبول نہیں کر سکی۔ وہ سامنے سرور کی محبت کا دم بھرتی تھی۔ میں نے روز اس سے وحشیانہ سلوک روا رکھا تھا اسے ٹیز کرنے کو ہر حربہ آزماتا۔ میں کچھ ہی دنوں میں جانور بن گیا تھا۔ شادی کے بعد اس کے لبوں پر سرور کا نام بھی نہیں آتا تھا وہ اس سے ملنے کی کوشش کرتا تو زیور اسے دھتکار دیتی۔ میرے استفسار پر اس نے کہا تھا۔ "میں گزرے کل میں نہیں جیتی مجھے آج عزیز ہے اپنا شوہر عزیز ہے۔" مگر مجھے یہ اس کی عیاری لگی تھی۔ میرے ہر ناروا سلوک کو وہ چپ چاپ سہتی رہی۔ اماں بابا تک سے اس نے کبھی شکایت نہیں کی۔ سی ایم ایچ میں وہ خود ڈاکٹر تھی چاہتی تو اسٹینڈ لے سکتی تھی۔ پھر جب تمہارے آنے کی اس نے مجھے خوش خبری سنائی میں نے بڑے استہزائیہ انداز میں اس سے کہا تھا۔ "کس کا ہے؟" اور وہ تڑپ تڑپ کر رونے لگی تھی۔ اس دن زیور نے میرا دل موم کرنے کو ہر حربہ آزمایا مگر میں پتھر کا بن گیا تھا۔ تمہاری پیدائش بھی عمل میں آئی تو میں اسے ہسپتال لے گیا تھا تاکہ وہ مر جائے مگر اللہ کو اس کی زندگی منظور تھی۔ تمہاری پیدائش کے بعد اسے تنگ کرنے کا مجھے نادر موقع ہاتھ لگا تھا۔ میں تمہارے ننھے سے وجود کو خوب پیٹتا تھا اور وہ ہاتھ جوڑ کر مجھے بار بار روکنے کی کوشش کرتی تھی۔ اپنا آپ وہ پیش کر دیتی تھی۔

اس دن سرور اسے مجھ سے خلع لینے کو سمجھا رہا تھا۔ کیونکہ وہ مجھ سے واقف تھا۔ میرے ماتحت تھا۔ میں نے اسے بھی تنگ کر چھوڑا تھا۔ سرور کے سمجھانے پر وہ اسے ڈپٹ رہی تھی نجانے مجھے کیا ہو گیا تھا۔ میں نے سرور کو گولی بھر کے مارا وہ بیچ بچاؤ کرانے کو ہمارے بیچ آ گئی۔ میں نے اسے دھکا دے کر گرا دیا۔ میرا ارادہ سرور کو جان سے مار دینے کا تھا۔ وہ سرور کے اوپر سے میرے ہاتھ سے لپٹ گئی تاکہ میں اسے مار نہ سکوں پر بیچ بچاؤ مگر میں نے اسی وقت اس منظر کو کچھ اور ہی مفہوم اخذ کیا تھا۔ میں نے اسی وقت اسے گھر سے طلاق دے دی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے میری طرف دیکھتی رہی۔ پھر سنبھل کر اس نے تمہیں ساتھ لے جانا چاہا تو میں نے تمہیں اس سے چھین کر دھکیل دیا اور کہا۔ "اگر تم نے زندگی میں کبھی اپنے بیٹے سے ملنے کی کوشش کی تو میں اسے قتل کردوں گا۔" وہ جانتی تھی میں ایسا کرسکتا تھا۔ مجھ جیسا سنگ دل شخص سب کچھ کرسکتا ہے۔ تم کو بھیک مانگتی وہ روتی بلکتی چلی گئی۔ گھر میں میں نے سب کو اپنی بنائی کہانی سنا دی۔ پھر جب تم بڑے ہونے لگے تو میں نے تمہارے ذہن میں زہر بھرنا شروع کردیا۔ مجھے ڈر لگتا تھا کہ اسے تو میں نے کھو دیا اگر تم بھی اسی کے پاس چلے گئے تو میں کیا کروں گا؟" مگر وقت نے مجھے احساس دلایا کہ میں نے تمہارے ساتھ بھی زیادتی کی۔ میں تمہاری نظر سے صرف ماں کو گرانا چاہتا تھا مگر تم نے ساری عورتوں سے نفرت کرنا شروع کردی۔ آج کل ہر وقت میرے اندر ضمیر کی عدالت لگی رہتی ہے۔ اس کی رفاقت کے تین سال مجھے سولی پر لٹکاتے ہیں کہ میں نے کیسے اسے لمحہ لمحہ تڑپایا۔ تمہیں اس سے چھین لیا کیونکہ اسے تم سے بہت محبت تھی۔ اس نے بہت شوق سے تمہارا نام رکھا تھا۔ میں پچھتاوے کی آگ میں جل رہا ہوں جونیئر۔ اس سے مجھے محبت تھی لیکن اب سوچو کہ جب وہ میری ہوگئی تو میں حسد، جلن، رقابت کی لپیٹ میں آ گیا اور جب میں نے اسے زندگی سے نکال پھینکا تو مجھے اس سے

عشق ہو گیا۔ میرے جیسا بدنصیب کوئی ہو گا اس روئے زمین پر؟ یقین مانو کوئی لمحہ اس کی یاد سے خالی نہیں جاتا۔ مجھے راتوں کو اس کی سسکیاں سونے نہیں دیتیں۔ اس کے جسم کو لگائے ٹھڈوں کو یاد کر کے میرا پیرز زمین پر پڑتے ہی کانپنے لگتا ہے۔ اس کی بے آواز فریاد نے مجھے دل کے عارضے میں مبتلا کر کے بستر سے لگا دیا اور اب تم... تم بھی انہی راہوں پر چل رہے ہو، ایسا مت کرو جونیر۔ محبت سے منہ مت موڑو۔ عورت وفا چاہتی ہے اسے رسوا مت کرو۔"

تیمور اک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔ آنسوؤں سے تر تو اس کا بھی چہرہ تھا۔ ماضی ایک نئے رنگ روپ میں اس کے سامنے تھا۔ جس ماں کو وہ گھٹیا القابات دیتا آیا تھا۔ وہی ماں وفا کی مثال تھی۔ محبوبہ بھی تو اس میں خالص۔ بیوی بنی تو شوہر سے مخلص۔ ماں بنی تو اس میں پارسا اور وہ اسی ماں سے نفرت کرتا آیا تھا۔ وہ باپ جو اس کی نظر میں ہیرو تھا۔ آج وہی اپنے گناہوں کو قبول کر رہا تھا۔ اس نے باپ کو دیکھا، خنجر ویران چہرہ۔ بے تحاشہ سرخ آنکھیں۔ لاغر وجود، کھوکھلا دل جو ظاہر کر رہا تھا کہ وجود کا معمہ کچھ دنوں کا مہمان ہے۔ ایسے میں وہ سنگ ملامت کیسے برساتا؟ کیسے اپنی محرومیوں کا گلہ کرتا؟ کیسے بتاتا کہ ماں سے نفرت کے باوجود اس کا دل بارہا چاہتا تھا اس سے لپٹنے کو؟ وہ محسوس کرنا چاہتا تھا ماں کیسی ہوتی ہے؟

"ممی کہاں ہیں اب؟ کیا سی ایم ایچ میں؟" آنکھیں پونچھتے اس نے تیمور سے استفسار کیا۔ محسوس کر رہا تھا کہ وہ آج بھی ان سے بے خبر نہیں ہیں۔

"ڈائیورس کے بعد اس نے سی ایم ایچ سے ریزائن کر دیا تھا۔

"پھر اب کہاں ہیں؟ کیا انہوں نے سرور سے شادی کر لی؟" اس کے سوال پر تیمور پھیکی سی کا دور و پڑ گیا۔ کافی دیر چپ رہنے کے بعد آنکھوں میں نمی محسوس ہوئی تو چپ ہو گئے۔

"کاش کہ کر لی ہوتی اس نے شادی کم سے کم میں کسی سائیڈ سے خود کو تسلی تو دے سکتا تھا مگر وہ بڑی باوفا ہے۔ آج بھی سرور اس کی خبر گیری کرتا ہے۔ اس سے شادی کو اصرار کرتا ہے اور وہ ہر بار اسے ڈانٹ کر بھگا دیتی ہے۔" تیمور مسکرا دیئے۔ ایک غرور پوشیدہ تھا اس مسکراہٹ میں۔ کیوں نہ مغرور ہوتے ان جیسے شخص کو بھلانے کے لیے انہیں تو بہت پہلے شادی کر لینی چاہیے تھی مگر وہ باوفا تھیں۔

شادی نہ کرنے کا سن کر ماں اس کی نظروں میں اور اونچی ہو گئیں۔ کیسے کاٹی ہو گی انہوں نے ایک تنہا عمر؟ ماں مرد کے سہارے۔ اس کا دل چاہا کہیں سے ماں کی صورت نظر آ جائے اور وہ اسے سیلوٹ کرے۔ اس نے تو آج تک ان کی تصویر تک نہ دیکھی تھی۔

"میڈیکل کالج لاڑکانہ میں پروفیسر ہے اور ہاسٹل میں رہتی ہے۔" جونیر نے آنکھیں بند کر کے ماں کو تنبیہ خراج تحسین پیش کیا۔

"جونیر اپنی ماں سے کہنا مجھے معاف کر دے۔" جونیر نے انہیں متاسفانہ نظروں سے دیکھا تھا۔ تیمور رضا پھر رو پڑے کہ یہ رونا تو عمر بھر کا تھا۔

❁❁❁

زبور کالج جانے کو تیار ہو رہی تھیں۔ جب وارڈن نے آ کر بتایا کہ ان کے گیسٹ آئے ہیں۔

"اتنی صبح صبح کون آ گیا؟" انہوں نے خود سے استفسار کیا۔ ماں باپ کا عرصہ پہلے انتقال ہو چکا تھا۔ بھائی دوسرے ملک میں ان کے وجود کو فراموش کر بیٹھے تھے۔ سرور کے ایک سرور تھے جو بھی کبھی ان کی خبر گیری کو آ جاتے تھے لیکن اتنی صبح وہ کبھی نہیں آئے تھے۔ بالفرض خیر کی خبر ہی ہوتی انہوں نے ملاقاتی کمرے کی طرف قدم بڑھا دیئے۔ روم اس وقت خالی تھا۔ بھرپور اجنبی جوان سر دروازے ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ان کے قدموں پڑتے ہی وہ سرو قد ہو گیا۔ نہ جانے کیوں زبور کے قدم دہلیز میں ٹھٹک گئے۔ زبور نے دہائت چادر سنبھالی باندھ رکھی تھی۔ چند سفید تار لیے گردن پر ڈھلا جوڑا کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ چہرہ کسی لوازمات اس عمر میں بھی اعلان کر رہا تھا کہ ان کے حسن چیزوں کی بھی ضرورت نہیں پڑی۔ تیمور رضا ان تھے تو کوئی انہونی نہیں تھی۔ وہ آج بھی دلکش خلوص، محبت پاکدامنی کا احساس ان کے وجود پر ہی دیکھنے والے کو ہوتا تھا اگر جونیر نے بھی ماں کوشش کی ہوتی تو یقیناً وہ باپ کی باتوں کو خود ہی

کہ اس کی ماں تو سراپا پاکیزگی تھی۔ زبور اسے سر سے پاؤں تک دیکھ رہی تھیں۔ وہ ان کے قریب گیا۔

"جہانبان جونیر۔" اس نے نہایت انحصار سے کام لیا۔ وہ ایکدم لڑکھڑا گئیں۔ اس نے ماں کو سنبھالا تو یوں لگا جنت اس کی بانہوں میں آسمائی ہو۔ وہ دیوانوں کی طرح اسے گھورے جارہی تھیں۔ ان کا جسم ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ جونیر نے انہیں صوفے پر بٹھایا' ان کے قدموں تلے بیٹھ کر ہولے ہولے ان کا ہاتھ سہلانے لگا۔ شاک کی کیفیت میں وہ اسے تکے جارہی تھیں۔

"ممی۔" اس کا پکارنا جیسے قیامت ہوگیا۔ وہ یوں تڑپ تڑپ کے رونے لگیں کہ اسے بھی رلا گئیں۔

"تم کہاں کھو گئے تھے جونیر؟ کتنی دیر سے ملنے آئے ہو مجھ سے۔ تمہارے باپ نے مجھے پابند کیا تھا۔ تم تو مجھ سے مل سکتے تھے۔ کتنا تڑپی ہوں۔ کتنا روئی ہوں میں۔ کہاں تھے تم؟" دیوانوں کی طرح اسے چومتے وہ اسے عرق ندامت سے بھگو رہی تھیں۔ دونوں کافی دیر روتے اور ایک دوسرے کو چپ کراتے رہے۔ کافی سے انہوں نے پھر بھی کرلی۔ پھر سارا دن دونوں نے باہر ساتھ گزارا۔ قربت کے ایک ایک لمحے کو محسوس کیا تھا دونوں نے۔

"ممی' ڈیڈ نے پیغام دیا تھا کہ آپ انہیں معاف کردیں۔" اس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"میں نے تیمور کو بھی بددعا نہیں دی۔ انہوں نے مجھے زبردستی اپنی زندگی میں شامل کیا' میں کاتب تقدیر کا لکھا سمجھ کر شوہر نامی شے سے محبت کرنے لگی مگر انہوں نے ہر لمحہ میری محبت کی راکھ کرید کر خود کو اذیت دی۔ انہیں کہہ دینا جونیر اگر ان کی کسی میرے لفظوں سے مقصود ہے تو میں نے انہیں معاف کیا۔" اور وہ بلندی پر موجود اپنی ماں کو دیکھنے لگا۔

"تم کیا کررہے ہو؟"

"میکینیکل انجینئرنگ کی ہے' آج کل فرم جوائن کررہا ہوں۔"

"شادی؟" زبور آنکھوں میں وفور شوق لیے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"ہوگئی۔" اس نے نظر چرالی۔

"تمہاری پسند ہے؟"

"ڈیڈ کی۔" پھر تو بھیا شاندار ہوگی۔" زبور نے جیسے چھیڑنے کی سعی کی وہ مسکرادیا۔

"دیکھ کر بتائیے گا۔"

"کب لاؤ گے مجھ سے ملانے؟"

"بہت جلد' لیکن ایک شرط پر۔" اس نے ماں کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"کیسی شرط؟" انہوں نے سہم کر خوبرو بیٹے کی شکل دیکھی۔

"یہی کہ اب آپ میرے گھر میں میرے ساتھ رہیں گی۔"

"منظور ہے۔ تنہا اکیلے رہ کر بور ہوگئی ہوں۔ مجھے خوشی ہوگی اپنے بیٹے کے گھر رہ کر جہاں بیٹا' بہو اور پوتے پوتی کی ایک الگ دنیا ہوگی۔" وہ اپنے خیالوں میں کھو گئیں اور جونیر کی نگاہوں میں چمکیلی آنکھوں والی وہ پیاری سی لڑکی لہرا گئی۔

❁❁❁

وہ جب سے آئی تھی۔ چپ چپ سی تھی۔ امی' باوا نے لاکھ پوچھا مگر اس کی خاموشی نہیں ٹوٹی۔ باوا نے امی کو سمجھایا کہ "جب بتانا ہوگا خود ہی بتادے گی۔ زیادہ پوچھ گچھ مت کرو۔" امی نے بھی زیادہ اصرار نہیں کیا۔ کب سے وہ اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو گھور رہی تھی۔

"تو کیا میں ہار گئی؟ جس شخص کو میں نے ٹوٹ کر چاہا' وہی میری کردار کشی کرے تو میں کیسے رہوں اس کے پاس؟ کیا مجھ میں ایسا کچھ نہیں ہے جو اسے پرچالے؟ کیوں ہے وہ اتنا کٹھور' اتنا بے درد؟ کیا اسے میری بالکل بھی پروا نہیں؟ میں اس کی زندگی میں رہوں نہ رہوں اسے کوئی فرق نہیں پڑتا؟" مٹھی بند کر کے وہ کھڑکی تک آئی۔ سوکھے پتوں سے ڈھکا اجاڑ صحن اس کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ ڈور بیل بجی تھی باوا نے دروازہ وا کردیا۔

"السلام علیکم باوا۔" جونیر کا چہرہ دروازے کی اوٹ سے طلوع ہوا تو باوا نے اسے گلے لگالیا۔

"السلام علیکم امی۔" اب وہ کچن کے دروازے پر موجود امی کو سماعت کر گیا تھا۔ وہ امی باوا سن کر ہی ٹھٹک گئی تھیں۔ ورنہ جب بھی وہ آتا تھا۔ "انکل' آنٹی پتھر مارنے کے اشائل

سے کہتا تھا۔ جب اس نے امی کے آگے سر جھکا دیا تو امی کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ اس کی سماعت میں عائشہ کے الفاظ گونج رہے تھے۔ "عورت کا دوسرا نام وفا ہے۔" اور اس نے وفا کے آگے سر جھکانے میں کوئی شرم محسوس نہیں کی۔ سر پر ہاتھ پھیر کر امی نے بے ساختہ اس کی پیشانی چوم لی۔

"یہ مائیں بھی کتنی عجیب ہوتی ہیں؟" امی کی آنکھیں پونچھتے وہ شوخی سے کہہ رہا تھا۔

"عائشہ اوپر ہے۔" امی گویا ہوئیں۔

"میں مل سکتا ہوں اس سے؟"

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے جاؤ مل لو۔" بابا نے کہا تو وہ سیڑھیاں طے کر کے اس کے کمرے میں آہستگی سے داخل ہوا۔ کھڑکی کھولے نیچے صحن میں جھانک کر یقیناً وہ گزرے دنوں کو یاد کر رہی تھی۔ اس کی پشت دروازے کی سائیڈ تھی۔ وہ اس کی موجودگی کو محسوس نہ کر سکی۔ اس کے گلابی جلیے اور ابھی بکھری زلفوں کو اس نے محبت سے دیکھا تھا۔ اس کا یہ حال یقیناً اس کی فرقت نے کیا تھا۔ ورنہ وہ بڑی اپ ٹو ڈیٹ رہتی تھی۔ اس وقت حقیقتاً انسان پر اداسی ٹوٹ کر لگتا ہے جب اس کے باعث کوئی خود کو فراموش کر دیتا ہے۔ اس کے شانے پر اس نے دھیرے سے تھپکی دی۔

"مجھے وہاں کہاں ڈھونڈ رہی ہو میں یہاں ہوں۔" اس کی آواز پر وہ اچھل ہی تو گئی۔ اس نے پلٹ کر بے ساختہ اسے دیکھا جو اس کے بے حد نزدیک کھڑا تھا۔ اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر پلکیں جھکا گئی۔

"میں تمہیں لینے آیا ہوں۔ چلو گی نا میرے ساتھ؟" مان و محبت بھرے لہجے میں ہزار خدشے تھے۔ وہ چاہنے کے باوجود نفی میں جواب نہ دے سکی اور اثبات میں سر ہلا دیا۔

"میں نیچے انتظار کر رہا ہوں۔ تم ذرا جلدی تیار ہو کر آجاؤ تمہارے کمرے میں زیادہ دیر رہا تو امی بابا کو غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے۔" وہ شوخی سے لب دبائے اس سے شرارت کر رہا تھا۔ طرز کلام پہ عائشہ نے اچنبھے سے اسے دیکھا اور جب وہ تیار ہو کر آئی تو اس نے سر سے پاؤں تک اس کے سراپے کا جائزہ لیا تھا۔ بلو جینز کے کھلے پائنچوں والے ٹراؤزر میں وہائٹ شرٹ اور وہائٹ دوپٹے سے بالوں کو جکڑے کراپ ایک ڈھیلی گانٹھ لگا کر اس نے دوپٹہ آگے ڈال رکھا تھا۔

امی بابا نے خوشی خوشی دونوں کو رخصت کیا۔ اس نے واپسی میں امی کے آگے پھر سر جھکا دیا تو عائشہ نے آنکھیں نفی میں لیں۔

"آج ہار کون مانے گا؟" اس نے پرشریر مسکراہٹ کے ساتھ سوال کیا۔

"اس دن بھی ہار میں نے نہیں مانی تھی۔" چہرے پر آئے بالوں کو اس نے انگلی سے پرے کیا۔

"تمہاری تو میں نے بھی نہیں تھی وہ تو ڈال ٹوٹ گئی تھی۔" وہ یاد دلا رہا تھا۔

"تو ٹھیک ہے آج دیکھ لیتے ہیں۔"

"تم ہار جاؤ گی۔" وہ مسکرا رہا تھا۔

"یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ کون ہارتا ہے۔" وہ ڈاڑی ہوئی تھی۔

"تمہیں اپنی جیت پر خوشی ہو گی یا میری ہار پر؟"

"دونوں پر نہیں۔"

"کیوں؟" استفسار ہوا۔

"آپ کو دکھ ہوا تھا مجھ سے شادی پر یا میرے گھر چھوڑ جانے پر خوشی ہوئی تھی؟"

"دونوں پر نہیں۔"

"کیوں؟" اب کے اس نے استفسار کیا۔

"جس نے میری آواز سن کر ہی مجھے دل میں جگہ دی، جو میرے گھر واپسی کی منتظر رہتی تھی۔ جو کالے شیشوں کے پیچھے سے مجھے پہروں تکتی تھی۔ جس نے مجھ محبت کے روشناس کرانے کو نفرت کے سمندر میں جانتے بوجھتے چھلانگ لگا دی۔ جس نے میرے گرد نفرت کے خول کو محبت سے لبریز اپنی سنہری آنکھوں سے تڑخا دیا۔ جس کی آنکھوں میں محبت اور رفاقت میں تھی اس لڑکی کی خوشی پر مجھے دکھ ہوتا؟" جونیئر کے کمبھیر لہجے پر عائشہ نے بڑی مشکلوں سے پلکوں کو گرنے سے بچایا۔ کافی دیر خاموشی چھائی رہی۔ دونوں بدستور ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے گزر رہے تھے۔

"میں نے بڑی عجیب زندگی گزاری ہے عائشہ میرے معصوم ذہن میں میری ماں کا نہایت ہی برا امیج بنا دیا گیا۔ ماں ہر بچے کا غرور ہوتی ہے اور جب کسی

فرور چھین لیا گیا تو مجھے دنیا کی ہر عورت سے نفرت ہو گئی۔ اگر کوئی کسر تھی تو وہ کلثوم نے پوری کر دی۔ وہ دادی کی نواسی ہوتی ہے میرے تحامل کو اس نے بے عزتی سمجھا اور مجھے بدکردار ثابت کرنے کی کوشش کی۔ عورت کا یہ روپ مجھے مزید بدظن کر گیا۔ پھر تم سے مل کر مجھے لگا کہ میں ہار نے لگا ہوں اور میں ہار گیا تھا مگر میں نے خود سے اعتراف نہ کیا۔ میں نے تم سے دور رہنا شروع کر دیا۔ پھر ڈیڈ نے تم سے میری شادی کر دی اور میرے اندر محبت اور نفرت کی جنگ جاری ہو گئی۔ میں محبت کے آگے ہار مان لیتا لیکن نفرت پھر سے میرے آگے تن کے کھڑی ہو جاتی تھی۔ مجھے ہر عورت اپنی ماں اور کلثوم لگتی تھی جنہوں نے اپنے چہرے پر ماسک لگا رکھے تھے۔ میں تمہیں بھی انہی جیسا سمجھتا تھا۔ جب تم گھر چھوڑ کر گئیں تب ڈیڈ نے مجھے بتایا کہ میری ماں تو اصل میں وفا کا پیکر ہے۔ سراپا پاکیزہ ہے اور مجھے ہی ماں سے مل کر میں نے اپنے اندر موجود نفرت کو دم توڑتے دیکھا ہے۔ ماں سے مل کر مجھے تم تک ہی آنا تھا۔ محبت کی تکمیل کے لیے میں تمہیں لینے چلا آیا۔"

"آپ عورتوں سے نفرت کرتے تھے چلیں اسی باعث میں پرسکون رہوں گی کہ ماضی میں آپ کا کوئی فیئر نہیں رہا ہوگا۔" وہ شوخی سے چھیڑ رہی تھی۔ ساری ناراضگی اس کی پارہ آنکھوں نے محبت کی پیتاں اس پر لٹا کر دور کر دی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں بہ غور دیکھتے وہ مسکرا دیا۔

"تم نے مردوں سے نفرت نہیں کی لیکن مجھے پھر بھی یقین ہے کہ کسی مرد نے تمہارے دل پر اپنا نام نہیں لکھا ہو گا۔ اگر ہے بھی تو مجھے کوئی پروا نہیں۔ مجھے خود پر یقین ہے کہ میں تمہارے دل سے ہر نام مٹا دوں گا۔ ہر کشش نکال پھینکوں گا کیونکہ مجھے تم سے عشق ہونے لگا ہے۔" وہ لو دیتی نظروں سے اس کی آنکھوں میں یہ غور دیکھ رہا تھا۔ عائشہ کی پلکیں لرزیں اور رخساروں پر سایہ فگن ہو گئیں۔

"ہم مردوں کے پاس بے باک ہتھیار ہوتے ہیں اور عورتیں حیا سے ہار جاتی ہیں۔ میں نے کہا تھا نہ تم ہار جاؤ گی۔" بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ دھیمی سرگوشی اس کی سماعت میں انڈیلی۔ نگاہیں عائشہ کے چہرے پر بھٹک رہی تھیں۔ جو یکدم سے خاموش ہو گئی تھی۔ اس کے دونوں شانوں کو پیار سے تھام کر اس نے جھک کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولے سے کیا۔

"سوری بولوں؟" اس نے بے ساختہ نفی میں سر ہلایا۔

"میری گزری باتوں کو بھلا سکو گی؟"

"آپ میری چند شرائط مان لیں تب۔"

"کہو۔"

"آپ اس عمل کو پھر نہیں دہرائیں گے۔"

"انشاء اللہ تعالیٰ۔" یقین دلایا گیا۔

"مجھے چپ کی مار بھی نہیں ماریں گے۔"

"نہیں ماروں گا۔"

"ڈانٹیں گے بھی نہیں۔"

"نہیں ڈانٹوں گا۔"

"کبھی موو نے پر سونے کو نہیں کہیں گے۔"

"نہیں کہوں گا۔"

"میں آپ کا کمرہ باتھ روم ڈارڈ روب سب استعمال کروں گی آپ کے ماتھے پر بل نہیں آئے گا۔"

"نہیں آئے گا۔"

"ہنی مون ٹرپ پر دوبارہ لے جائیں گے۔"

"لے جاؤں گا۔"

"سردیوں میں اپنی جیکٹ بھی مجھے پہنائیں گے۔"

"پہناؤں گا۔"

"ہائے میں مر گئی۔" گھر کے زینے چڑھتے چار منزلہ سینڈل نے بیچ بیچ اسے دغا دے دیا تھا۔ لڑکھڑا کر اس نے ساتھ چلتے جونیر کا بازو تھام لیا اور درد سے دہری ہو گئی پیر میں موچ آ گئی تھی۔ سر اٹھا کر اس نے جونیر کو دیکھا جو بڑی عجیب نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اللہ قسم جونیر میں جان بوجھ کر نہیں لڑکھڑائی تھی اور یہ موچ بھی اصلی ہے۔" وہ روہانسے لہجے میں صفائی دے رہی تھی۔

"تمہاری اصلی نقلی ساری موچ سر آنکھوں پر۔" جونیر نے جھک کر اسے بانہوں میں سمو لیا اور عائشہ نے اس کے سینے پر سر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔